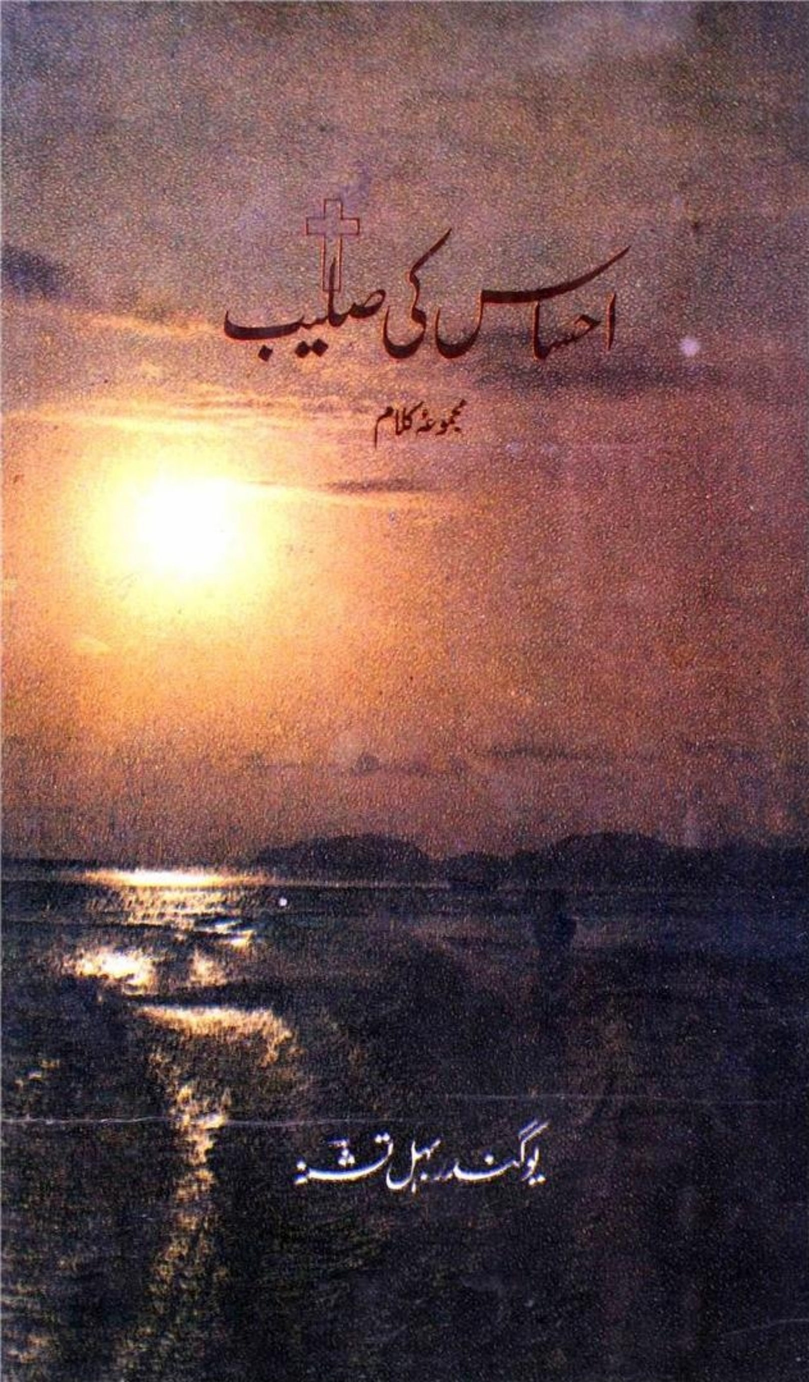
احساس کی صلیب
مجموعۂ کلام
یوگندر بہل تشنہ

احساس کی صلیب

مجموعۂ کلام

یوگندر بہل تشنہ

غالب میموریل ویلفیر سوسائٹی ۔ نئی دہلی

ڈاکٹر اسلم پرویز
شعبۂ اُردو
جواہر لعل نہرو یونیورسٹی

تشنۂ سیراب

یوگندر بہل تشنہ کا تعلق پاکستان سے نقلِ وطن کر کے آنے والے پنجابیوں کی اُس نسل سے ہے اُردو جس کا اوڑھنا بچھونا تھی۔ ۱۹۴۷ء کے فوراً بعد چاروں دِشاؤں میں تیزی کے ساتھ پھیلتی ہوئی دِلّی میں اُردو کا بول بالا جس طرح اس نسل کے دَم سے ہوا وہ سب اب رفتہ رفتہ خواب سا بنتا جا رہا ہے۔

اُردو کے اِن بُرے دنوں میں ایسے میں جب کوئی یوگندر بَہل تشنہ سامنے آجاتا ہے تو دل مالک رام، جگن ناتھ آزاد، کرشن موہن، بل راج کومل اور جوگندر پال جیسے لوگوں کی سلامتی کی دعا مانگنے لگتا ہے۔

یوگندر بہل تشنہ اُردو کے ایک گمنام سے شاعر ہیں۔ ان کی اس گمنامی میں اس بات کا بھی بڑا دخل ہے کہ وہ انتہائی مرنجاں مرنج قسم کے انسان ہیں، ورنہ میں ایسے بہت سے شاعروں کو جانتا ہوں جو اُن سے کم تر درجے کے شاعر ہیں لیکن ان سے زیادہ شہرت کے مالک ہیں۔ شاعری کی جانب ان کا رویّہ نہ تو پیشہ ورانہ ہے اور نہ وہ کوئی بہت بڑے خلّاق ہیں۔ دراصل وہ ایک تہذیبی روایت کے امین ہیں اور اس روایت کے

لیکن مرے حضور مری سُن تو لیجئے
خادم وفا شعار ہیں شک نہ کیجئے
پہنا دیا کسی نے حالات کو لباس
جو بن گئے حضور مرے حرفِ رنج و یاس
سمجھائی آپ کو وہ کہانی جو جھوٹ تھی
اِک خود غرض نے یوں مری دنیا اُجاڑ دی
مجبوریوں سے اُس نے مری فائدے لیے
زہریلے لفظ آپ کے کانوں ہیں رکھ دیے
ناراض ہی نہیں کیا، برہم بھی کر دیا
رنج آپ کو دیا تو مجھے قتل بھی کیا
کچھ آپ کی نوازشیں حاصل نہ ہو سکیں
جلتی نگاہیں قہر کی ناچیز پر پڑیں
چاہا بہت کہ آپ کے میں ہو سکوں قریب
لیکن یہاں بھی چھل گیا مجھ کو مرا نصیب
افسوس یہ نہیں کہ خوشی کا زیاں ہوا
دکھ یہ ہے قرب آپ کا بھی میں نے کھو دیا
لیکن حضور جیسے ہوا جس طرح ہوا
یہ سارا کام خیر سے انجام پا گیا
شاید حضور آپ کے یہ علم میں نہیں
بندہ تھا ساتھ ساتھ جہاں آپ تھے وہیں

میرا تعاون آخری دم تک حضور تھا
لیکن یہ کھل نہ پایا کہ میں بے قصور تھا
خواہش ہمیشہ تھی کہ جو اُڑچن کبھی پڑے
یہ بندہ بیشتر ہی اُسے دُور کر سکے
تا کہ حضور آپ پہ آئے نہ کوئی حرف
افسوس و نا اُمیدی میں اِک پل نہ ہوئے صَرف
الزام مجھ غریب پہ پھر بھی دھرے گئے
موقع مِلا نہ کوئی صفائی کے واسطے
درخواست کتنی بار ہی میں نے گزار دی
ہو جاؤں بار یاب اجازت نہ مِل سکی
ناکردہ اِک گنُہ کی مِلی ہے مجھے سزا
خاموش ہوں، رہوں گا میں خاموش ہی سدا
کچھ کہہ سکا نہ سُن سکا افسوس یہ رہا
دامن بھی آنسوؤں کو بہن کے نہ مل سکا
دیکھی سُنی نہ ایسی سزا آج تک کبھی
ظاہر میں کچھ نہیں ہے مگر جان پہ بنی
میں کیا کہوں کہ کیسی اذیت ہے مہرباں
احساس پائمال ہے زخمی ہے جسم و جاں
محتاج ہیں کرم کی مری سب گزارشات
تشنہ کی آرزو ہے کریں آپ التفات

غالبؔ کا شعر سن لیں، ہیں اہلِ نظر حضور
شاید ہو بے نقاب یہ سب خیر و شر حضور
ذکر اُس پری وش کا اور پھر بیاں اپنا
بن گیا رقیب آخر تھا جو راز داں اپنا

تمثیل وار ــــــ

دُوسرا خط

(جناب ایس جے سنگھ کے نام)

آپ کو بندہ پرور میرے
روز پکاروں سانجھ سویرے
کیجے عنایت اک مخلص پر
دل کو میرے غم ہیں گھیرے
آپ ہیں سورج، روشن کیجے
اب تو دن بھی ہوئے اندھیرے
آپ ہوئے ہیں جب سے برہم
دل میں ہیں رنج و غم کے ڈیرے
دن کو چین، نہ شب کو نیندیں
کس کی راحت، کیسے بسیرے
عالم یہ ہے میرے دل کا
بے چینی میں کہیں نہ ٹھہرے
جب بھی سوچوں گذری باتیں
عجب اُداسی دل کو گھیرے

آپ سوا اب کون ہے ہمدم
کس کو دکھاؤں دُکھ یہ گھنیرے
آپ کا در ہے میری منزل
جا کے پڑوں اور کس کے ڈیرے
آپ ہی جانیں میرا مقدر
کتنے اندھیرے، کتنے سویرے
آپ کے ہی تو ہاتھوں میں ہیں
میرے اُجالے، میرے اندھیرے
ٹوٹ چکا ہے آپ کا تشنہ
اُس نے لگائے اتنے پھیرے
نظریں جھکائے سجدے میں ہوں
محسن میرے، آقا میرے
عنایتوں کی پتوار کشا سے
پار لگا دیں بیڑے میرے
آپ کرم کی اک مورت ہیں
آپ ہی میرے داتا ٹھہرے

تمثیل وار ــــــ

تیسرا خط

(جناب ایس جے سنگھ کے ایلچی سے مُلاقات کے بعد)

وفاؤں میں میری کہاں فرق تھا
درِ بار یابی نہ جو کھُل سکا
مقدر نہ تھا یہ مُلاقات ہو
میں دفتر کے باہر ترستا رہا
یہ ارماں تھا دل میں ملوں آپ سے
مگر جب میں لوٹا تو غم ساتھ تھا
جو بھیجا تھا افسر حضور آپ نے
بہت خوب اُس کا رویہ رہا
ملی اُس کی باتوں سے راحت مجھے
فرشتہ خصائل وہ انسان تھا
سیاہی سفیدی کے مالک ہیں آپ
مگر کیسا میرا مقدر لکھا

بھلا آپ کا ہو دعا ہے یہی
کیا آپ نے میرے حق میں بھلا
جو جیسا کرے اُس کو ویسا ملے
نہیں اِس میں کوئی کسی کی خطا
سُنا ہے حضور، آپ نے تو کبھی
"نہ سوچا کبھی بھی کسی کا بُرا"
فریب و دغا میں ہے راحت بہت
مگر سچ کا رستہ ہے کانٹوں بھرا
گِرے کو کچلتا ہے ہر آدمی
مگر نیک انساں سنبھالیں سدا
گڑھے میں ہے جو اُس کو پتھر نہ مار
بزرگوں نے اپنے سبق یہ دیا
کسی وقت شاید کسی بھول سے
کیا ہو دُکھی میں نے دل آپ کا
شکایت نہیں آپ سے کچھ مجھے
ہے کرموں کا رشتہ بشر سے جُڑا
مگر ہے گذارش بسمل کی حضور
وفا اُس کی رکھیں نظر میں ضرور
وہ ہے آپ ہی کے کرم پر پڑا
کہ مظلوم کا ہے خدا ہی خدا

تمثیل وار ــــ

چوتھا خط

(جناب ایس جے سنگھ کے نام)

افسروں کو اس طرح لکھتے ہیں کیا؟
جس طرح تشنہؔ ہمیں تو نے لکھا
خیر جو بھی شاعری میں ہے لکھا
وہ مجھے پہلے ہی سے معلوم تھا
وقت کم ہے مجھ کو جانا ہے ذرا
جلد ہی کچھ کام سے، فرما دیا
"مختصر سُن لو مرا تم۔ فیصلہ
جو لگایا ہے تمہیں مِل جائے گا"
گر نہیں منظور تم کو فیصلہ
کچھ نہیں پاؤ گے یہ ارشاد تھا
زیست میں لاتا کہاں سے اعتدال
جو لگایا وہ نہ حاصل کر سکا
سود کی تو بات ہی کیا اصل بھی
ہو نہیں سکتا ہے "اِس بِل" سے ادا

کہہ دیا احکام دے کر قتل کے
"اور رعایت کر سکوں لاچار تھا"
واہگرو محفوظ رکھے آپ کو
آتی ہے میرے لبوں پر یہ دُعا
ہر قدم پر آپ کے رب ساتھ ہو
ہر نفس تشنہ کے دل کی ہے صدا
(آپ کے سفیر بن کر باھر جانے کی اطلاع کے بعد)

کون یاں سُنتا ہے آوازِ ضمیر
جا رہے ہیں آپ تو بن کر سفیر
جاتے جاتے میری قسمت کی لکیر
سیدھی کر دیجے، دُعا دے گا فقیر
دست گیری کیجے، اے دست گیر
کھینچ کر ماضی کی باتوں پر لکیر

تمثیل وار ـــــ

پانچواں خط

آج پھر جب گفتگو کی فون پر
تاکہ کچھ معلوم ہو بِل کی خبر
بِہل نے پائی رِہاں سے یہ خبر
بھر گیا ہے آپ کا خوشیوں سے گھر
اُس کو لمبی عُمر بخشے واہ گرو
آپ نے پایا ہے اِک لختِ جگر
دل سے نکلی ہے دُعا ہو گی قبول
نامور ہو آپ کا نورِ نظر
بندہ پرور مجھ پہ بھی چشمِ کرم
دور کیجے فکر میری بھی اِدھر
ایسے عالم میں تو سارے والدین
بانٹ دیتے ہیں خزانے کھول کر
دوسرا مژدہ یہ خوش خبری کے بعد
نعمتیں دیں واہ گرو نے کس قدر

تحت شعر بھی کہتے ہیں۔ ان کی شاعری کے مطالعے سے ایک بات بہت واضح طور پر سامنے آتی ہے، اور وہ یہ کہ وہ شاعری چاہے جیسی بھی کرتے ہوں لیکن یہ شاعری کھینچ تان کی شاعری نہیں ہے، یعنی یہ کہ یہ شاعری نہ تو محض تُک بندی ہے اور نہ بیت برائے بیت۔ اگر زندگی کا ادب کے ساتھ کوئی رشتہ ہے اور جو یقیناً ہے تو اس رشتے کو خواہ کتنی ہی محدود سطح پر سہی تشنہ کی شاعری میں تلاش کیا جا سکتا ہے۔ اُن کی شاعری کے مطالعے سے پتا چلتا ہے کہ ایک کامیاب اور بھرپور زندگی کی چاہت میں انھوں نے اَن گنت تشنگیوں کا زہر پیا ہے اور اتنا پیا ہے کہ وہ اس سے سیراب نظر آتے ہیں۔ تشنہ کی شخصیت کے بہت سے پہلو ہیں جن میں ان کے نظریات، ان کے عقائد، ان کی مصلحتیں، ان کی رفاقتیں، ان کی نجی زندگی، ان کے کاروباری مسائل، ان کی چہیتنا اور چہیتا یہاں تک کہ ان کے تعصبات، غرض تمام چیزیں شامل ہیں اور یہ سب چیزیں ہمیں کہیں نہ کہیں، کسی نہ کسی روپ میں "احساس کی صلیب" پر ٹنگی نظر آتی ہیں۔ چنانچہ ان میں سے بہت سی چیزیں براہِ راست شاعری کا موضوع نہ ہوتے ہوئے بھی ہمیں ان کی شاعری میں اس لیے نظر آتی ہیں کہ وہ ان کے بارے میں صرف سوچتے ہی نہیں بلکہ ایک تخلیقی فن کار کی حیثیت سے انھیں محسوس بھی کرتے ہیں۔

"احساس کی صلیب" ایک ایسی دستاویز ہے، ایک ایسا سیاق و سباق ہے جس کے حوالے سے تشنہ کو بہت کچھ ٹٹولا جا سکتا ہے اور اس ٹٹول میں یقیناً زندگی کی کچھ ایسی سنہری قدریں بھی ہمارے ہاتھ آئیں گی جو آج کی مادّی زندگی کی تپتی ہوئی دھوپ میں ایک گھنے سائے سے کم نہیں۔

اسلم پرویز

۲۰ فروری ۸۷ء

عرض ہے خوشیوں بھرے ماحول میں
میرے بل پر بھی کرم کی ہو نظر
ایک شاعر غرق ہے افکار میں
آپ ہی کے راج میں ، المختصر
دست بستہ التجا تشنہ کی ہے
مہربانی کیجیے اُس کے حال پر

تمثیل دار

آخری خط

(جناب ایس جے سنگھ کے نام)

اب نہ جو الطاف کی بارش ہوئی
اور بڑھ جائے گی دل کی بے کلی
دیر سے اندھیر اگر ہو جائے گا
یہ فسانہ مختصر ہو جائے گا
زندگی سے روٹھ جائے گی خوشی
ساتھ ہوگی تشنگی ہی تشنگی

آپ افسر ! جانتے ہیں رنگ و بو،
دیکھیے اب قلبِ شاعر کا لہو
آسرا ہیں میری ہستی کا جناب
کیجئے بیباق اب میرا حساب
آپ سمجھے ہوں گے اس کو شاعری
اس میں پنہاں ہیں مرے غم واقعی
جب بھی اک شاعر اُٹھاتا ہے قلم
لفظ بن جاتے ہیں خود عکاس غم

رفیقۂ حیات کی علالت سے متاثر ہو کر

۱۔ انکشاف

۲۔ میری ہمدم، میری دمساز

۳۔ وا ہے

۴۔ عیادت (تم کیوں اُداس بیٹھی ہو)

۵۔ ہسپتال کے سرجیکل وارڈ کی ایک رات

۶۔ آپریشن تھیٹر کی ایک رات

۷۔ زندگی لوٹ آئے گی

۸۔ رحم کر اب رحم اے پروردگار

"اِنکشاف"

جب سُدیشں نے آپریشن کے بعد پہلی مرتبہ آنکھیں کھولیں اور اپنے اطراف کا جائزہ لینے کے بعد خاموش اور اُداس ہوگئیں۔ شاید وہ نظر نہ آیا جس کی وہ منتظر تھیں۔

(آل انڈیا انسٹی ٹیوٹ، نئی دہلی، ۲۰ جون ۱۹۸۶ء)

بے نقاب ہو گئے پھر وقت کے ہاتھوں چہرے
شدّتِ درد نے یاری کا بھرم توڑ دیا
رہ گئے ڈوب کے اشکوں میں محبت کے صنم
جن پہ تکیہ تھا — وہ عیّار نظر آنے لگے

پھر میرے ٹوٹے ہوئے دل سے یہ لاوا پھوٹا
ڈھونڈتا پھرتا ہے کیوں پگلے یہاں مہر و وفا
پھر اسی درد کی وادی سے نمودار ہوا
خود فریبی کا عمل، جھوٹ پہ سچ کا سایہ

اور ہر چہرے کو بخشی گئی پھر اُس کی نقاب
زندگی بن گئے پھر موت کے بڑھتے سائے
دل کہ ویرانہ ہوا جاتا تھا، آباد ہوا
گردِ تفریق سے بیگانہ مگر رہ نہ سکا

مِری ہمدم، مِری دمساز

(رفیقۂ حیات کو درد کی کیفیت میں دیکھ کر)

زندگی درد کے صحرا میں ہے آوارہ قدم
غرق ہے دل مِرا اشکوں کے سمندر میں صنم
سرد انفاس ہے، سینے میں گھٹا جاتا ہے دم
ذہن مفلوج ہے بیماری سے تیری ہمدم
سوچتا ہوں کہ تِرا درد بٹاؤں کیسے
تیرے آشوب کو میں دل میں بساؤں کیسے

میں! جو کہتا تھا مِری جاں تِری خاطر اکثر
کھیل سکتا ہوں کسی وقت بھی اپنی جاں پر
توڑ لاؤں گا ستارے بھی گگن سے جاکر
اور پھولوں سے سجادوں گا تِری راہ گذر
آج شرمندہ ہوں وعدوں کو نبھاؤں کیسے
شِدّتِ درد سے میں تجھ کو چُھڑاؤں کیسے

منکشف آج ہوا ہے کہیں حق و باطل
تیرے کس کام کا ہے میرا دھڑکتا ہوا دل
جان پر کھیلنا بھی ایسا نہیں ہے مشکل
چند بے معنی سے فقروں سے مگر کیا حاصل
تجھ پہ جو بیت رہی ہے وہ بھلاؤں کیسے
رشتۂ دردِ مسیحا سے چھپاؤں کیسے

تیرے اس حال نے کچھ ایسا کیا مجھ پہ کرم
کھل گیا مجھ پہ مری جان رفاقت کا بھرم
آج سب ٹوٹ گئے تجھ سے مرے قول و قسم
ترجماں ہے مرے غم کی، مری چشمِ پُر نم
میں کوئی وعدہ نبھاؤں تو نبھاؤں کیسے
چیر کر اپنا کلیجہ بھی دکھاؤں کیسے

مضطرب کتنی ہے اے جان طبیعت تیری
تیری آنکھوں سے جھلکتی ہے نقاہت تیری
دیکھی جاتی نہیں یہ درد کی شدت تیری
مجھ کو مل جائے مری جان علالت تیری
روح بن کر تیرے قالب میں سماؤں کیسے
پھر سے شادابی ترے چہرے پہ لاؤں کیسے

کاش، اے کاش! ترا درد مجھے مل جائے
تجھ پہ جو بیت رہی ہے، وہی مجھ پر بیتے
یا الٰہی! فقط اتنا سا کرم تُو کر دے
میری دم ساز، مرے ساتھ جیے، ساتھ مرے

وَاہمے

(رفیقۂ حیات کی علالت پر)

ایک جذباتی تاثّر

چہرے پہ تیرے رُکتی نہیں ہے مری نگاہ
سرزد ہوا جیسے کہ مجھ سے کوئی گناہ
چھُپنے کو خود سے ڈھونڈ رہا ہوں پناہ گاہ
شرمندگی کا بوجھ اُٹھاؤں مَیں کس طرح
اے جان! تیرے سامنے آؤں میں کس طرح

کہتا رہا ہوں خود کو ترا جاں نثار بھی
تیرا گنہ گار بھی ہوں، غم گسار بھی
تنہائیوں میں رہتا ہوں اب شرمسار بھی
ایسے میں کوئی بات بناؤں میں کس طرح
اے جان! تیرے سامنے آؤں میں کس طرح

مصروف ہوں میں حمد و ثنا میں ترے لیے
تاثیر چاہتا ہوں دعا میں ترے لیے
گردن جھکی ہے ذکرِ خدا میں ترے لیے
قرضہ تری وفا کا چکاؤں میں کس طرح
اے جان! تیرے سامنے آؤں میں کس طرح

میری دعاؤں میں بھی اثر جب نہیں رہا
دکھ درد کا میں تیرے مداوا نہ کر سکا
آخر تجھے سپرد مسیحا کے کر دیا
نا اہلیت کا قصّہ سناؤں میں کس طرح
اے جان! تیرے سامنے آؤں میں کس طرح

رو رو کے چارہ گر سے یہ کہنا پڑا مجھے
تجھ کو شفا عطا کرے وہ میرے واسطے
میری طرح نہ کوئی بھی مجبور ہو سکے
ہمدم! اثر دعاؤں میں لاؤں میں کس طرح
اے جان! تیرے سامنے آؤں میں کس طرح

احساس دم بھی لینے نہیں دیتا ہے ذرا
سائے کی طرح میرے تعاقب میں ہے سدا
شام و سحر کا زہر کہاں تک پیوں بتا!
اپنا بھی رنج تجھ سے چھپاؤں میں کس طرح
اے جان! تیرے سامنے آؤں میں کس طرح

مجھ سے سوال کرتی ہیں مجبوریاں مری
کیوں لکھی ہیں نصیب میں محرومیاں مری
مجھ کو کریدا کرتی ہیں تنہائیاں مری
کانٹوں سے دامن اپنا چھڑاؤں میں کس طرح
اے جان! تیرے سامنے آؤں میں کس طرح

مَیں کیسے جی رہا ہوں کوئی جانتا نہیں
احوال میرا مجھ سے کوئی پوچھتا نہیں
سینے میں کوئی تیری طرح جھانکتا نہیں
افسردگی کا حال سناؤں میں کس طرح
اے جان! تیرے سامنے آؤں میں کس طرح

رہ رہ کے آرہی ہے وفاؤں کو شرم سی
"احساس کی صلیب" پہ لٹکا ہوں ہر گھڑی
بے کیفیِ حیات سے گھبرا گیا ہے جی
احساس کے یہ زخم دِکھاؤں میں کس طرح
اے جان! تیرے سامنے آؤں میں کس طرح

جب تم نے مُسکا کر دیکھا

جب تم نے مُسکا کر دیکھا
نیل گگن کے سُندر تارے
مجھ کو کرنے لگے اشارے
ہردے کی سونی نگری میں
جاگ اُٹھے پھر سوپن ہمارے
میرے سونے سے نینوں سے
پھوٹ پڑے خوشیوں کے دھارے
جب تم نے مُسکا کر دیکھا
بھول گیا میں سونی راتیں
بھول گیا میں بیتی باتیں
مجھ کو کچھ بھی یاد رہا نہ
کیسی تھیں بِرہا کی راتیں
مدھر مدھر سی، میٹھی میٹھی
دھیمے دھیمے پیار کی باتیں

جب تم نے مُسکا کر دیکھا
یادوں نے لی پھر انگڑائی
ہم نے غم کی بات بھلائی
پھر متوالے ہوش میں آئے
مدھوشالہ پر بدلی چھائی
میرے ہِردے کی دھڑکن کی
ان نینوں نے بات بنائی
جب تم نے مُسکا کر دیکھا
مستی چھائی، یوون چھایا
سپنوں نے بھی ساز بجایا
پھر بانہوں کا ہالہ ٹوٹا
ساقی نے پھر جام اُٹھایا
آنچل ڈھلکا، گھونگھٹ سرکا
نینوں نے پھر مدھ برسایا
جب تم نے مُسکا کر دیکھا

عیادت

"کس لیے تم اُداس بیٹھی ہو"
اپنے سب رنج و غم مجھے دے دو
کوئی دُکھ درد، لاعلاج نہیں
شمع اُمید کی جلائے رکھو!
یوں اگر نا اُمید ہوگی، تم!
مجھ پہ کیا بیتے گی ذرا سوچو
زندگی! کھیل ہے، تماشا ہے
سارے ہی غم ہنسی خوشی ٹالو
میں تمہارے ہی دم سے زندہ ہوں
تم مری زندگی کا حاصل ہو

وقت اِک جا کبھی نہیں رُکتا
غم کو تم اور آسرا مت دو
رُوح فرسا اِن اپنی باتوں سے
مبتلا کیوں اَلَم میں کرتی ہو
نا اُمیدی ہے مَوت کا پیغام
آس تشنہ ذرا بندھائے رکھو

اے ہمدمِ دیرینہ!

تجھ سے مِل کر مِلا ہوں میں خود سے
تیری چاہت میں پریم بانی ہے
دل ہی دل میں یہ سوچتا ہوں میں
چاہتوں ہی میں زندگانی ہے

قطعہ

تیرے دل میں ہے کون سا وہ غم
کِس لیے تُو اُداس ہے ہمدم
چھین لی جس نے تیرے لب سے ہنسی
اور تجھ کو دِیے ہیں رَنج و اَلم

آپریشن تھیٹر کی ایک رات

بصد خلوص و محبت بڑی سرجیکل ڈاکٹرز کی نذر

(آل انڈیا انسٹی ٹیوٹ آف میڈیکل سائنسز، نئی دہلی)

۲۰ر جون ۱۹۸۶ء

ہر دن ہے جہد و فکر، ہر اک شب ہے امتحاں
ہر لمحہ زندگی ہے تذبذب کے درمیاں
کیف و نشاط رنج و الم تیرے ہم رکاب
تیرا وجود جیسے مسیحائی کا نشاں
مانگی دعا خدا سے بھی بیمار کے لیے
ہمدرد بن کے رو دیا تیرا رُواں رُواں
بے چینیوں کے سائے میں گذرے ہے زندگی
لیکن ہیں اِن میں خوشیوں کے لمحے بھی بے گماں
"خود غرضیوں" سے دور ہے ذوقِ طلب ترا
تجھ میں نہاں ہے رحم کا اک بحرِ بے کراں
تیرا وجود حرفِ کرم سب کے واسطے
تو جاگتا ہے اہلِ مصائب کے درمیاں

تشنہ تجھے سمجھتا ہے عنوانِ زندگی
دریائے فیض ہے ترے دل میں رواں دواں

ہسپتال کے سرجیکل وارڈ ڈی ۶ کی ایک رات

بصد خلوص و محبت وارڈ کی تمام سسٹرز کی نذر
(آل انڈیا انسٹی ٹیوٹ آف میڈیکل سائنسز، نئی دہلی)

۲۵ جون ۱۹۸۶ء

زخمی ہو کوئی شہر کہ بیمار ہو بستی
انسان کی خدمت میں لگی رہتی ہو تم ہی
بیمار کوئی درد کی ٹیسوں سے جو تڑپے
احساس کا مرہم لیے پہونچی ہو لپکتی
تم کو ہے سروکار فقط کام سے اپنے
بیماروں کی خدمت میں مٹا دیتی ہو ہستی
سسٹر کا دیا نام تمہیں خوب کسی نے
محسوس یہ ہوتا ہے مسیحا کی ہو بیٹی
تم ہی میں بہن بھی ہے نہاں ماں بھی ہے پنہاں
تصویر ہو ممتا کی حسین اور حقیقی
سسٹر میں مسیحا میں کہاں فرق ہے تشنہ
وہ نور ہے، یہ نور میں لپٹی ہوئی ہستی

زندگی لوٹ آئے گی

تیری پلکوں پہ یہ ٹھہرے ہوئے لرزاں آنسو
مجھ سے آج اپنی وفاؤں کا صلہ مانگتے ہیں
میرے افکار تغافل کی سزا مانگتے ہیں
یاس میں ڈوبی نظر ڈالتی ہے مجھ پر جو تو
تیری پلکوں پہ یہ ٹھہرے ہوئے لرزاں آنسو
تیرے بن سانس بھی لینے کا تصور ہے گناہ
اس طرح جینا اذیت کے سوا کچھ بھی نہیں
میری دنیا تو ہے تو، تجھ سے جدا کچھ بھی نہیں
ایک پل تیرے بغیر اپنے سے مشکل ہے نباہ
تیرے بن سانس بھی لینے کا تصور ہے گناہ

میرے ہمراز، میری جان تو مایوس نہ ہو
آخری سانس تک اُمید رکھ اپنی قائم
میری بھی زیست کا ہے سلسلہ تجھ سے دائم
غمزدہ ہو کے مری رُوح میں نشتر نہ چبھو
میرے ہمراز، میری جان، تو مایوس نہ ہو
سوچتا کون ہے، کتنا ہے یہ نازک رشتا
تو مری آس ہے، یہ بات فقط جانتا ہوں
تیرے احساسِ رفاقت کو میں پہچانتا ہوں
جا نہیں سکتی کبھی چھوڑ کے مجھ کو تنہا
سوچتا کون ہے، کتنا ہے یہ نازک رشتا

(اوپریشن سے پہلے کی رات یکم اگست، ۱۹۸۷ء)

"رحم کر اب رحم اے پروردگار"

تجھ سے ہے یہ التجائے دلِ فگار
رحم کر اب رحم اے پروردگار

چھا رہی ہے ذہن و دل پر بے حسی
زندگی سے روٹھی ہے ہر اک خوشی
رات دن رہتی ہے حالت غیر سی
بند ہے سب کاروبارِ زندگی
ان دنوں بیمار ہے ہمدم مری

صاف چہرے سے عیاں ہے اضطراب
زرد ہیں خوش رنگ عارض کے گلاب
ہر گھڑی ہے اِک قیامت لمحہ لمحہ اِک عذاب
ہر نفس رنج و الم ہیں ہم رکاب
غمزدہ ہیں بربط و چنگ و رباب

کچھ نہیں دل کش سماں اُس کے بغیر
ڈستی ہیں تنہائیاں اُس کے بغیر
ظلمتوں میں ہوں نہاں اُس کے بغیر
زیست ہے بارِ گراں اُس کے بغیر
گُنگ ہے میری زباں اُس کے بغیر

تجھ پہ ظاہر ہے سبھی کچھ اے خدا
آسرا کوئی نہیں تیرے سوا
تجھ کو شاہِ دو جہاں کا واسطہ
دست بستہ تجھ سے ہے میری دعا
میرے دلبر کو عطا کر دے شفا

تیری رحمت کا ہوں میں اُمیدوار
کیوں نہیں سنتا دُکھی دل کی پکار
رحم کر اب رحم اے پروردگار
تجھ سے ہے یہ التجائے دلفگار
رحم کر اب رحم اے پروردگار

قطعات

دیوار

آئی وہ جھومتی ہوئی برسات
دُھل گئے ہیں مکاں کے گرد و غبار
ڈھا گئی ہے یہ کچّی دیواریں
نفرتوں کی نہ ڈھ سکی دیوار

تحیُّر

کتنی مدت کے بعد، میں اے دوست
تیرے بھوپال شہر میں آیا
یہ سراسر بدل گیا ہے مگر
تجھ پہ اس کا نہیں ذرا سایا

ڈاکٹر گوگیندر بہل تشنہ جانبازوں اور دلیروں کی سرزمین نوشہرہ ضلع پشاور (پاکستان) میں ۲۷ نومبر ۱۹۲۸ء کو پیدا ہوئے۔ ہوش سنبھالنے کے بعد رانجھا اور سوہنی مہیوال جیسے مشہورِ زمانہ عاشقوں کے بُوئے وفا علاقے پنجاب کے ایک دُور اُفتادہ گاؤں گھڑتل (ضلع سیالکوٹ) پاکستان میں تعلیم و تربیت حاصل کی، اور تقسیمِ ملک کے بعد علم و ادب کے گہوارے اور مشترکہ تہذیب کے مرکز دلّی شہر میں سکونت اختیار کی۔

تشنہ انسان اور انسانیت کے دلدادہ، خلوص و محبت کے پیکر، وطن پرست، قومی اتحاد اور ملکی سالمیت کے پرستار، ہندوستان کی تعمیر و ترقی اور روشن مستقبل کے نقیب اور بلا امتیازِ مذہب، ملت، رنگ و نسل تمام اقوامِ عالم کی فلاح و بہبود اور امن و آشتی کے علمبردار ہیں۔ تشنہ کی ان مذکورہ اوصافِ حمیدہ کا ہمیں اُس وقت اندازہ ہوتا ہے جب ہم اُن کی شاعری (غزل اور نظم) کا گہری نظر سے مطالعہ کرتے ہیں۔

تشنہ کی شاعرانہ صلاحیتوں کا انکشاف مجھ پر ابھی چند سال پیشتر ہی ہوا۔ ہر چند کہ وہ چالیس سال سے اپنے میخانۂ شاعری سے جام پر جام لنڈھا رہے ہیں۔ انگریزی میں مختلف موضوعات پر کتابیں لکھنے کے علاوہ وہ اُردو زبان اور ادب پر بھی گہری نظر رکھتے ہیں۔ اُن کی پہلی کتاب "میم سین ظفر ادیب" پر ہے اور "احساس کی صلیب" اُن کی تازہ تخلیق ہے۔ یہ دونوں تشنہ کے احساسات و جذبات کی بھرپور ترجمان ہیں۔ تشنہ آج ادبی دُنیا میں لاکھ گمنام اور گوشہ نشین سہی لیکن "مشک آنست کہ ببوید نہ کہ عطار بگوید" کے مصداق دورِ حاضر کے سنگ ریزوں میں اگر اُس کی حیثیت ایک گوہرِ آبدار کی ہے تو جس وقت جوہریوں کی نظر پڑے گی یقیناً اُس کی قدر افزائی اور پذیرائی کی جائے گی۔

(ڈاکٹر) کامل قریشی
دلّی یونیورسٹی

یاد آجاتے ہو تم

نشۂ خلوت سے جب مخمور ہو جاتا ہوں میں
انتہائے غم سے جب رنجور ہو جاتا ہوں میں
اشکِ غم پینے پہ جب مجبور ہو جاتا ہوں میں
دردِ فرقت سے کبھی جب چور ہو جاتا ہوں میں
اور اپنی ذات سے جب دور ہو جاتا ہوں میں
ڈوبنے لگتا ہے دل، بے نور ہو جاتا ہوں میں
یاد آجاتے ہو تم

جب محبّت کی بیاں کرتا ہے کوئی داستاں
نشۂ اُلفت میں جب ہوتا ہے کوئی نغمہ خواں
جب کسی سینے سے اُٹھتا ہے محبّت کا دھواں
دیکھتا ہوں جب کسی کی آنکھ میں اشکِ رواں
اور جب ٹوٹا ہوا دل کرتا ہے آہ و فغاں
میرے دل کے داغ ہو جاتے ہیں پھر شعلہ فشاں
یاد آجاتے ہو تم

جب کوئی محبوب کرتا ہے کسی سے اجتناب
جب کسی کو دیکھتا ہوں عشق میں خانہ خراب
جب بہاتا ہے کوئی دن رات آنسو بے حساب
جب نظر آتا ہے کوئی غمزدہ غرقِ شراب
اور جب ہوتا ہے کوئی محوِ رنج و اضطراب
آہ کھُل جاتی ہے پھر سے عہدِ ماضی کی کتاب
یاد آجاتے ہو تم

جب گذر جاتی ہے حد سے درد و غم کی تشنگی
موت بن جاتی ہے جب ساعت تمہارے ہجر کی
یاد آجاتی ہے جب مجھ کو جفا و جور کی
زہر کا پیالہ نظر آتی ہے جب یہ زندگی
اور رگ رگ میں سما جاتی ہے جب دیوانگی
پھر پلٹ آتی ہے پہلی سی وہ دل میں تیرگی
یاد آجاتے ہو تم

بیٹھے بیٹھے بھرتا ہے جس وقت کوئی سرد آہ
چھُپ کے جب میں دیکھ پاتا ہوں کوئی بھیگی نگاہ
جب کوئی دیوانہ کہتا ہے محبت ہے گناہ
جب نہیں ملتی حسیں آغوش میں غم کو پناہ
دیکھتا ہوں جب کسی کا عشق میں حالِ تباہ

پھر سے میرے بھولے بسرے غم کو مل جاتی ہے راہ
یاد آجاتے ہو تم

جب کوئی مہ وش نظر آتا ہے مجھ کو بام پر
جب کسی کو دیکھتا ہوں عشق میں گرمِ سفر
بیٹھ جائے جب تجسس میں کوئی تھک ہار کر
اور جب ویراں نظر آتے ہیں گھر کے بام و در
داغ دل جلتے ہیں، رستا ہے ہر اک زخمِ جگر
پھر ٹھہر جاتی ہے خود اپنی کہانی پر نظر
یاد آجاتے ہو تم

اس دلِ ناکام کو تڑپا رہی ہے آرزو
اس دلِ ناکام کو ہے بس تمہاری جستجو
اس دلِ ناکام نے خود کر لیا اپنا لہو
اس دلِ ناکام میں باقی نہیں اب رنگ و بو
اس دلِ ناکام کے ہاتھوں ہوں رسوا کو بہ کو
اس دلِ ناکام کو جب یاد آجاتے ہو تم
چھین لیتے ہو سکون و صبر تڑپاتے ہو تم
سوچتا ہوں آج مجھ کو یاد کیوں آتے ہو تم

چراغِ محبّت

غموں سے لبریز، کانپتی سی سُنی ہے آواز تیری میں نے
دبی دبی سی، گھُٹی گھُٹی سی دلِ حزیں کی وہ سرد آہیں
اگرچہ انجانے پن میں تو نے اُجاڑ دی میرے دل کی دنیا
مگر اِن آنکھوں نے دیکھ لی ہیں تری بھی نمناک وہ نگاہیں

تجھے محبّت شناس کر کے قرار چھینا ہے میں نے تیرا
یہ جرم ہے میرا در حقیقت سُجھائی کیوں تجھ کو راہِ اُلفت
چُرائی آنکھوں سے نیند تیری، غمِ محبّت بھی میں نے بخشا
قصور میرا ہے میرے ہمدم اُٹھا رہا ہے جو تو یہ کلفت

تجھے نہ شاید یقین آئے کہ تیرے دُکھ سے دُکھی ہوں میں بھی
مچل رہے ہیں مری بھی آنکھوں میں آنسوؤں کے کئی سمندر
جلا کے دل میں چراغِ اُلفت سکوں نہیں ہے مجھے بھی اک پل
اُداس پا کر میں تجھ کو تنہائیوں میں رویا ہوں شب کو اکثر

تحفۂ کرسمس

(آشا کا بیش قیمت تحفہ کرسمس کے دن ملنے پر)

جب چُبھے آنکھوں میں تیری برگِ گُل یا نوکِ خار
یہ سمجھنا مِل گیا احساس کو عنوانِ کار
یاد ہے تو نے دیا ہے اِس کرسمس پر مجھے
ایک تحفہ بیش قیمت، اِک نشانی یادگار
اپنے شاعر کی طرف سے بھی ہو نذرانہ قبول
جس کی قیمت ایک دنیا اور اک شاعر کا پیار
وہ جسے اپنے قلم، ذہنِ رسا پر ناز ہے
بھیجتا ہے اپنی آشا کو وہ تصویرِ بہار
اِس نگاہِ دہر میں جس کی نہیں قیمت کوئی
میں نے اِس انداز میں ظاہر کیا ہے دل کا پیار
لفظ یہ میرے بنیں گے رنج و غم کے چارہ گر
اِس سے لوٹ آئے گا پھر ٹوٹے ہوئے دل کا قرار

یہ بتا دے غمِ دُنیا کو بھلاؤں کیسے ؟

میری دنیا ، مری پیاری ، مری اچھی رانی
یہ بتا دے غمِ دنیا کو بھلاؤں کیسے

خشک ماحول ، تری یاد ، یہ جلتے آنسو
میرے جذبات میں اک آگ لگا دیتے ہیں
چاندنی رات ، خنک باد ، گزشتہ لمحات
دلِ مجروح کو دیوانہ بنا دیتے ہیں

نیند آتی بھی ہے کچھ کچھ تو تصوّر آمیز
یہ تصوّر دلِ شاعر کو ہوا دیتا ہے
میں پہونچتا ہوں ترے ساتھ ستاروں سے پرے
دل مرا اک نئی منزل کو صدا دیتا ہے

یاد آتے ہیں مجھے پھر وہی وعدے ہمدم
جو کیے تجھ سے تری بانہوں کا سہارا لے کر
ہائے میں پیکرِ تعبیرِ وفا بن نہ سکا
مجھ کو بے بس کیا دنیا نے کنارا دے کر

میری ہر سانس میں سُلگے ہے غمِ فکرِ معاش
میرے جذبات بھی احکام کے پابند ہوئے
سر جُھکا دیکھنے حاکم کو سلامی دینے
دل کو جُھکنا پڑا حاکم کی غلامی کے لیے

اب تجھے دل میں بساؤں تو بساؤں کیوں کر
تجھ سے وعدے جو نبھاؤں تو نبھاؤں کیسے
باندھ رکھے ہیں مرے ہاتھ مری فکروں نے
جانِ من! تجھ کو مناؤں تو مناؤں کیسے

میری دنیا، مری پیاری، مری اچھی رانی
یہ بتا دے غمِ دوراں کو بھلاؤں کیسے

(جملہ حقوق بحقِ مصنف محفوظ)

سرورق — ہرش بہل

کتابت — وکیل احمد بستوی راحت علی خاں رامپوری

ترتیب وانتخاب — سیدہ خورشید جہاں (قادری)، سدرش بہل

بہ اہتمام — ضامن علی خاں

طباعت — امرناتھ بگائی ایورسٹ پریس ۴ چمیلیان روڈ دہلی ۱۱۰۰۰۶

ناشر — غالب میموریل ویلفیر سوسائٹی رجسٹرڈ، نئی دہلی

مصنف کا پتہ — ۱۶۲۰ بہادر گڑھ روڈ، دہلی ۱۱۰۰۰۶
فون :- ۵۲-۲۷۷۰ / ۵۲-۳۴۶۰

قیمت — پچاس روپیے

کتاب ملنے کے پتے :- انجمن ترقی اردو ہند راؤز ایونیو دین دیال اپادھیائے مارگ نئی دہلی ۱۱۰۰۰۲
مرکز ادب ایم ایل بی کالج روڈ بھوپال ۴۶۲۰۰۱
بھوپال بک ہاؤس، بدھوارہ بھوپال

گُریز

شکریہ ! پیش کشِ سیرِ اجنتا ہے حسیں
لیکن اے دوست مرے گذرا ہوا وقت نہ بھول
ٹوٹ جاتی ہے ارادوں کی لطافت کی کمند
تن پہ انسان کے جب چھاتے ہیں دولت کے اُصول

آج بھی ہے دلِ مزدور تمنا کا مزار
اب بھی ارمان مچلتے ہیں، بکھر جاتے ہیں
اُن کے سینے میں کہاں کِھلتے ہیں خوشیوں کے گلاب
موت سے پہلے ہی انسان جو مَر جاتے ہیں

پیش کش تیری کہ مینائے غزل چھلکاؤں
کیسے چھلکاؤں کہ باغی ہوں میں شاعر ہی نہیں
فن اجنتا کا بہت خوب، بہت خوب سہی
خود بھی جلتا ہوا منظر ہوں میں ناظر ہی نہیں

نقش چٹانوں پہ تہذیب کے شہکار تو ہیں
فن کا احساس غلامی سے مگر پاک نہیں
ان میں انساں نہیں بھگوان ہے، مذہب ہے فقط
اور سب کچھ ہے یہاں منظرِ ادراک نہیں

روح اولیٰ ہے کہ دنیا میں بدن اولیٰ ہے
کس نے دیکھا ہے کہ روح ہے بھی بدن میں کہ نہیں
پیٹ روٹی سے ہے بھرپور تو دل دھڑکے گا
ورنہ دل بھی نہیں، روح بھی نہیں، کچھ بھی نہیں

پیش کش تیری سر آنکھوں پہ مرے دوست مگر
نفس کی آگ بھڑک اُٹھے گی پھر بھوک کے ساتھ
اس تماشے سے مرے کُنبے کو حاصل کیا ہے
یہ مری بھوک کا حل ہے نہ کوئی راہِ نجات

اُمید و یاس

میں تو بیٹھا ہوں کسی خواب کا دامن تھامے
سوچتا ہوں کہ چلی آئے گی تو جانِ بہار
زندگی درد کی خلوت سے نکل آئے گی
مجھ کو باہوں میں سمیٹے گا ابھی پیار ہی پیار

تیری آمد کا تصوّر تھا دل و جاں میں مکیں
اس تصوّر نے مجھے کیف دیا جینے کا
میں جلاتا رہا اُمید کی دنیا میں دیئے
جس نے تازہ رکھا ہر گھاؤ مرے سینے کا

تو بُلائے گی، بُلائے گی، بُلائے گی مجھے
تلخیٔ زیست مِٹے گی تری آمد کے طفیل
میں تو بیٹھا تھا اس اُمید کا دامن تھامے
گہری قربت میں بدل جائیگا اُلفت کا یہ کھیل

تیرے انکار سے احساس مرا کانپ اُٹھا
ٹوٹ کر رہ گیا ہر خواب، بجھے دل کے چراغ
تیرگی چھا گئی اُمید کی دنیا میں تمام
دل میں لَو دینے لگے پھر وہی تنہائی کے داغ

آہ پھر غم کے اندھیروں میں بھٹکتا ہے دماغ
پھر اندھیروں میں سسکتے ہیں یہ دل کے ارماں
حسرت ویاس کی تصویر بنا بیٹھا ہوں
اب نظر آتا نہیں کوئی خوشی کا امکاں

لمحۂ گریزاں

آج کیوں غیر ہوئی جاتی ہو
میری ہر بات کو ٹھکراتی ہو
کیا تمہیں یاد نہیں ؟
پیار کے دن وہ سلونی راتیں
مرمریں باہیں مرے گرد حمائل کر کے
تم خیالات میں کھو جاتی تھیں
آج کیوں غیر ہوئی جاتی ہو

زندگی چند پریشان سوالوں کے سوا!
کچھ نہیں میرے لیے کچھ بھی نہیں، کچھ بھی نہیں
یاد آتے ہیں وہ اندازو ادا، عشوہ و ناز
دل میں برچھی سی اُتر جاتی ہے
اور
احساس میں اک برق سی لہراتی ہے

ایگنس ٹرنر

(جس کے پاس میں اپنا ڈرامہ "کشمیر" لیکر گیا تھا)

دلکش سُہانی شام تھی وہ وسط جون کی
تن پر سجی تھی اک حسیں ساڑی شون کی
جمپر گلابی ، ساڑی میں انگوریا تھا رنگ
جس میں نہاں شباب تھا، مستی کی تھی ترنگ
عارض پہ جھومتی تھی سیہ زلف کی گھٹا
آنکھوں میں مستیاں تھیں، بڑی شوخ تھی ادا
بے رنگ زندگی کو تھی یہ اک ادا بہت
شاعر کے واسطے تھا یہی آئینہ بہت
جو تیرے در پہ لایا تھا افسانۂ حیات
"کشمیر" جس کے لفظ تھے شاعر کی کائنات
جس کی ادائیگی کے لیے بھاگئی تھی تو
اُس کے دل و دماغ پہ بس چھاگئی تھی تو
ممکن نہیں وہ پہلی مُلاقات بھول جائے
جو دل میں نقش ہوگئی وہ بات بھول جائے

تصویرِ دل

(ایک سیاہ فام منگیتر سے ملاقات کے بعد)

اگر مان لے بات میری ضمیر
اگر کام کر جائے دل کی نظیر
اگر رنج وغم کی گھٹائیں نہ چھائیں
اگر خواب میں مہ لقائیں نہ آئیں
اگر زیست کا مجھ پہ کھُل جائے راز
اگر چُپ رہے میرے ماضی کا ساز
اگر رُوح پر مجھ کو آئے یقیں
اگر دل تجھے مان لے مہ جبیں
اگر صورتیں دل پہ غالب نہ آئیں
اگر سیرتیں میرے دل کو لُبھائیں

تیری جستجو میں کھو جاؤں گا
تجھے دل کی بستی میں لے آؤں گا
محبت میں تیری میں لُٹ جاؤں گا

بیتے پندرہ سال

(ایر فورس ۱۰۴ ہیلی کاپٹر یونٹ پالم ایر پورٹ سے وداعی کے وقت)

گذر گئے ہیں پندرہ سال
پچک گئے ہیں میرے گال
رہے نہ میرے سر پر بال
بیتے دنوں کا نہیں ملال
بیچ کے ہم نے دل کا لہو
خوب نکالا دل کا اُبال
عہدِ جوانی، آگ سا تھا
پھونک دیا ہے جسم کا جال

گرم لہو اب ٹھنڈا سا ہے
ختم ہوا جی کا جنجال
آج جوانی کے بدلے میں
ہم نے بڑھاپا لیا ہے پال
زنگ لگایا ذہن کو یوں
چھُپ جائے ماضی کا حال
رہی نہ خواہش، رہے نہ دوست
کس کی فرقت، کیسا وصال
رفتہ رفتہ دل نے مرے
کاٹا سب کے پیار کا جال

بیش بہا تھا عہدِ جوانی
ہونٹ گلابی، چہرہ دھانی
حُسن اور عشق کی دلکش بانی
گرم لہو کی شوخ رَوانی
اک ننھی سی بھول نے دوست
دنیا کے معمول نے دوست
لوٹ لیا یہ سارا مال
باقی رہ گئے پیلے گال

میرے رفیقو، میرے یارو
یاد کرو گے بہل کو پیارو
جس کو لوٹا وقت نے آج
اور کیا اس طرح نڈھال
اُس کے کٹ گئے پندرہ سال
رہ گئے باقی پچکے گال

پالم (دہلی کینٹ)
۳۱ر دسمبر ۱۹۶۱ء

ترتیب

ابتدائیہ

نظمیں

۱۔ جب تم نے مسکا کر دیکھا ۱۳
۲۔ یاد آجاتے ہو تم ۱۴
۳ چراغِ محبت ۱۷
۴۔ تحفۂ کرسمس ۱۸
۵۔ یہ بتا دے غمِ دوراں کو بھلاؤں کیسے ۱۹
۶۔ گریز ۲۱
۷۔ اُمید و یاس ۲۳
۸۔ لمحۂ گُریزاں ۲۵
۹۔ ایگنس ٹرنر ۲۶
۱۰۔ تصویرِ دل ۲۷
۱۱۔ بیتے پندرہ سال ۲۸
۱۲۔ بُھول جا عہدِ گذشتہ بُھول جا ۳۱
۱۳۔ نئے سال کا رقص ۳۳
۱۴ منظوم خط (پتاجی کے نام) ۳۶
۱۵۔ قوتِ خیال بدلتی ہے مقدر ۳۹
۱۶۔ شکست کی آواز ۴۲
۱۷۔ خوابِ غفلت ۴۴

بُھول جا عہدِ گذشتہ بُھول جا

سازِ اُٹھا ہاں سازِ اُٹھا اے مُطرب !
ساقیا ! سُن ساقیا لا جام لا
یادِ ماضی سے مرا دامن چھُڑا
ہاں اُٹھا ساغر ذرا مجھکو پلا
بھُول جا عہدِ گذشتہ بھُول جا
یادِ ماضی سے مرا دامن چھُڑا

مہر و وفا میری گئی ہے رائیگاں
ایک اِک لمحہ ہوا ہے سَرگراں
زندگی ناکامیوں میں ہے نہاں
کیا کہوں اے منطقِ خوش بیاں
میری منزل ہے وہیں تُو ہے جہاں
زندگی ناکامیوں میں ہے نہاں

اُودی اُودی یہ گھٹا ، ٹھنڈی ہوا
مت چہک اے طائرِ نغمہ سرا
یاد آتی ہے کوئی ماہِ لقا!
دل کو برماتی تھی جس کی ہر ادا
کون جوڑے گا شکستہ آئینہ
دھڑکنوں سے اب بھی آتی ہے صدا

چاندنی رات اور جدا مجھ سے ہے تو
ذہن کو بھٹکا رہی ہے جستجو
مضطرب کرتی ہے دل کو آرزو
رات دن آنکھوں سے بہتا ہے لہو
ساز اٹھا ہاں ساز اٹھا اے مطربہ
ساقیا سُن ساقیا لا جام لا

بھول جا عہدِ گذشتہ بھول جا
یادِ ماضی سے مرا دامن چھڑا

نئے سال کا رقص

جناب ن۔م۔راشد کی نظم "اے مری ہم رقص مجھ کو تھام لے"
سے متاثر ہو کر

ہاں پلا دے مجھے دو گھونٹ نیا سال ہے آج
پینا اِس عہد میں اِک جُرم بغاوت ہی سہی
ہاں پلا دے کہ بغاوت سے محبت کر لوں
ہاں پلا دے کہ زمانے سے تشدّد کر لوں
ہاں پلا دے کہ نئے سال کو زندہ کر لوں
جس میں گھُٹ گھُٹ کے ہے مرنا مجھے اک پورا سال

کبھی رونا، کبھی کُڑھنا، کبھی مرنا ہے مجھے
کبھی ٹکڑے، کبھی کپڑے کو ترسنا ہے مجھے
اور ہر گام پہ مر مر کے گزرنا ہے مجھے
جون کی آگ تو سہہ لے گا برہنہ ڈھانچہ
تند سردی میں دسمبر سے گزرنا ہے مجھے
جس کے آخر میں بڑے دن ہیں، نیا سال بھی ہے
ہاں پلا دے مجھے دو گھونٹ نیا سال ہے آج .....

سالِ نو سَو سَو مبارک تیری آمد کے طفیل
میری اِس لاش کا اِک سال گھٹا جاتا ہے
میری فولاد جَوانی کا زنگ آلود ستون
اب بڑھاپے کی زنجیروں میں ڈھلا جاتا ہے
مَوت سے اور قریب اور قریب اور قریب
مَوت کے نام میں اب کتنا مزہ آتا ہے
مَوت کے بعد وہ آرام تو مل جاتا ہے
جس کو ترسا کیے ہم لوگ زمیں پر رہ کر
رُوح ہو جاتی ہے پھر قیدِ بدن سے آزاد
جس کو روزی کا، نہ کپڑے کا، نہ چھپّر کا سوال
جس کو نہ سختیِ زنداں، نہ ہی پھانسی کا ڈر
جس کو پنجاب سے انتہاپسندوں کا خطرہ بھی نہیں
ہاں پلا دے مجھے دو گھونٹ نیا سال ہے آج .....

میری بیگم، مجھے اِن تیز نگاہوں سے نہ دیکھ!
کیا قیامت ہے ابھی پیے ہیں دو گھونٹ فقط
اور تو آگ بگولہ سی ہوئی بیٹھی ہے
وہی سالن، وہی ایندھن، وہی راشن کا سوال
وہی بچّوں کا ہے مرنا، وہی بنیئے کا حساب
وہی کپڑوں کا تقاضا، وہی گہنوں کا خیال
بیچ ڈالے ہیں جو گہنے تو قیامت کیا ہے
گہنے نہ بیچتا تو اور بتا کیا کرتا؟
آخر اِک سال، گراں سال ہمیں کاٹنا ہے

اور یہ سال کا پہلا دن ہے
ہاں پلا دے مجھے دو گھونٹ نیا سال ہے آج ....

پی رہا ہوں کہ کہیں آئندہ حالاتِ قبیح
مجھے اپنے بازوؤں میں گر لے لیں تو میں مست رہوں
کون کہہ سکتا ہے اس سال میں کیا گزرے گی؟
پھر انہی تیز نگاہوں سے مجھے دیکھتی ہو
وہی سالن، وہی راشن، وہی گہنوں کا خیال
وہی چہرے پہ اداسی، وہی رونا دھونا
اب جو روکو گی، پہ بڑھا جاؤں گا پوری بوتل
آخر اک سال، گراں سال ہمیں کاٹنا ہے
اور یہ سال کا پہلا دن ہے
ہاں پلا دے مجھے دو گھونٹ نیا سال ہے آج ....
پینا اس عہد میں اک جرم بغاوت ہی سہی
ہاں پلا دے کہ بغاوت سے محبت کر لوں
ہاں پلا دے کہ خود اپنے سے تشدد کر لوں
ہاں پلا دے کہ نئے سال کو زندہ کر لوں
جس میں گھٹ گھٹ کے مرنا مجھے اک پورا سال

منظوم خط

(اپنے پتاجی کے خط کے جواب میں)

محترم پوجیہ پتاجی آپ کو پرنام ہے
نثر ہو یا شاعری مجھ کو ادب سے کام ہے
آپ کا خط ایک ہفتہ پیشتر مجھ کو ملا
میری خاموشی سے ناحق دل ہے مضطر آپ کا
آپ کے اس خط میں تھے شکوے شکایت بیشمار
رکھ رہے ہیں جو مرے زخموں پہ مرہم بار بار
آپ لکھتے ہیں کہ میں دیتا نہیں خط کا جواب
میں بھی خود حیران ہوں ایسا ہوا کیونکر جناب

مَیں ہوں اِک ہارا مُسافر اِس سفر سے تھک چکا
جینے کو جیتا ہوں لیکن زندگی سے ہوں جُھک چکا
میں نے دُنیا میں جسے چاہا وہی مجھ سے چُھٹا
میرے دل کا قافلہ ان شاہراہوں پر لُٹا
بکھر رہا ہوں یہ جو اب اشکوں کا دامن تھام کر
تھک کے بیٹھا ہے یوگ ندر زندگی کی شام کر
آج تک تعمیر میں جس کی لُٹائی تھی حیات
بجلیوں کی زد میں آکر جل گئی وہ کائنات

آپ نے پرَواز کے بارے میں پوچھا ہے سوال
میری قسمت کو نہ آیا میرے ارماں کا خیال
اس کو لَو دینے کی خاطر شمع ہستی بیچ دی
پر یہ کوشش اس بڑی شکتی کے آگے ہیچ تھی
کس لیے پرواز میں شامل ہوا یہ ہے مَلال
مجھ سے مت پوچھیں مری بگڑی ہوئی قسمت کا حال
فکر مجھ کو کھائے جاتی ہے نہیں ملتا سکوں
اضطرابِ غم سے دل ہے ٹکڑے ٹکڑے کیا کہوں
زندگی کی دوڑ میں ہونے نہ پایا کامیاب
ایک جاں ہے اور دنیا بھر کے رنج و اضطراب
آپ کہتے ہیں نہیں پرَواز میری رائیگاں
زندگی خوش حالیاں اِک روز کر دے گی جَواں
امتحاں میں فوج کے میں ہوگیا ہوں کامیاب
پڑ گیا ہے اس لیے کچھ سرد میرا اضطراب

ایک مدت سے نہیں آیا ادھر بھائی کا خط
اُن سے کہیے اب نہیں کر سکتا میں آنسو اپنے ضبط
خط مدن کا ایک عرصے بعد آیا ہے مجھے
اُس نے ننھے کے جنم دن پر بُلایا ہے مجھے
خیر کچھ بھی ہو مگر لکھنے کی کچھ زحمت تو کی
دُور رہ کر اُس نے میرے پیار کی حرمت تو کی
خط میں لکھا تھا اُسے آنے نہ پاؤں گا وہاں
کیونکہ دیوارِ معیشت آگئی ہے درمیاں
اب اجازت چاہتا ہوں رات کافی ہو گئی
ہے عروسِ خامشی بیدار، دُنیا سو گئی
ماں، بہن، بھائی وہاں سب کو مرا پرنام ہے
خوش رہیں بچے، بہن کے یہ دعا، پیغام ہے
آج تو اتوار ہے، ڈالوں گا اِس نامے کو کل
آپ کا لختِ جگر، دل بند یوگندر بہل

(کان پور۔ ۲۹ جون ۱۹۵۲ء)

قوّتِ خیال بدلتی ہے مقدّر

(سوامی شوانند جی کے انگریزی خیالات کا اُردو ترجمہ)

(نوٹ:۔ اس نظم میں خیال کے مطابق بحر کے ارکان گھٹائے بڑھائے گئے ہیں۔)

جِس طرح کے بوئے گا انساں خیال
پائے گا ویسے ہی پھل بے احتمال

تخم سے افعال کے جیسا کہ پیدا ہو شجر
ویسے ہی اوصاف کا دنیا میں ملتا ہے ثمر

تخم جس خصلت کا ہوتا ہے حبیب
ویسی ہی فطرت ہے انساں کا نصیب

ہاتھ میں انساں کے ہے خود ہی قلم
اپنی قسمت آپ کرتا ہے رقم

آدمی ہے اپنی قسمت کی بہار
فکرِ بہتر سے ہیں پیدا نیک کار

نیک سیرت کا بنے جس سے حصار
نیک فطرت دے مقدر زر نگار

جو بدل سکتا ہے قسمت آدمی
وہ حقیقت میں ہے قسمت کا دھنی

یہ حقیقت ہے نہیں منظر کشی
جھوٹ کی ہمدم نہیں ہے بھیروی

وہ تو ہیں کم فہم جو باور کریں
قوتِ اعمال سے جی لیں، مریں

جدّ و جہد آخر میں کیوں کرتا رہوں
یہ مری تقدیر ہے جیسے جیوں

۱۸۔ مسافتِ ناگہانی	۴۸
۱۹۔ سفر در سفر	۵۰
۲۰۔ کیفِ لطیف	۵۲
۲۱۔ سرابوں میں سمندر	۵۴
۲۲۔ حیات علی خاں	۵۶
۲۳۔ رفاقتیں کیسی	۵۸
۲۴۔ عابد و عاصی	۵۹
۲۵۔ نژادِ نو	۶۰
۲۶۔ مدن موہن بہل (مرحوم)	۶۱
۲۷۔ نقوش (ساغر نظامی)	۶۳
۲۸۔ شیشہ گری	۶۵
۲۹۔ اجنبی آواز	۶۷
۳۰۔ گیت	۶۹
۳۱۔ ظفر ادیب	۷۲
۳۲۔ غزلیں	۷۶ سے ۹۷
۳۳۔ خطوط	۹۸ سے ۱۱۰
۳۴۔ رفیقۂ حیات کی علالت سے متاثر ہوکر	۱۱۱ سے آخر تک

قائلِ تقدیر پر آئے جمود
حرکت و افعال ہیں حرفِ نمود

یہ شریعت پر عمل بالکل نہیں
یہ غلط فہمی ہے میرے ہم نشیں

یہ غلط احساس ہے، اک بھول ہے
آئینے پر عقل کی یہ دھول ہے

ہے کسی ذی ہوش کی ایسی مثال
جس نے پوچھے ہوں کبھی ایسے سوال

اپنے ادراک و عمل سے ہے یہ حال
خود بُنا تم نے مقدّر کا یہ جال

اپنی خواہش کے مطابق خود چُنو
صحبتِ درویش ہیں اے ہم نشیں

وہ بدل جائے گا اِک دن بالیقیں
ہو گا پھر قول و عمل سے دل نشیں

"شکست کی آواز"

لیے ارمان دل میں زندگی کا
سراپا بُت ہوں میں افسردگی کا
مرے فرزند نے میری نہ مانی
کیا حق یوں ادا فرزندگی کا
تھی اُس کی ضد کہ لے آئے وہ پھر سے
وہی موسم مری درماندگی کا

نہ کر بیٹے کی ضِد کا رنج دل میں
خودی ہے امتحاں فرزانگی کا
اذیت ناک تھا وہ لمحہ کتنا
دیا جس نے مزہ دیوانگی کا
نگاہوں میں لیے اک ناامیدی
میں پیکر بن گیا آزردگی کا

شکستِ زیست کی تصویر ہوں اب
صلہ ہے کیا یہ میری بندگی کا
کھڑا ہوں سامنے میں اپنے تشنہ
کہ پھر لوں جائزہ میں زندگی کا

خوابِ غفلت

غفلت کے بھیروں میں تھا
خوابوں کے گھیروں میں تھا
اس خوابِ غفلت کی بتا
اب ہوگی کیا تعبیر خدا
غیب سے آئی پھر یہ ندا
کیسا ہے یہ خواب ترا
روگی ، بے بس ، بے مایہ
رنج و غم میں ڈوبا ہوا

میں نے آخر کہہ ہی دیا
میں نے خواب میں کیا دیکھا
دیکھا ایماں بکتا ہوا
کیسے سناؤں یہ قصہ
دیکھو شاگردوں کی ادا
اُستادوں کو پیٹ دیا
سچ والوں کا سر تھا جھکا
جھوٹوں کو اعزاز مِلا
ظلم و تشدّد ، جبر و جفا
مفلس انساں پِستا ہوا
شہر جہیز کی لالچ کا
جس میں ہر اک نار چِتا
عِشق ہے اور بے جُرم سزا
خواب میں کچھ ایسا بھی تھا

یاروں نے یہ کام کیا
اپنا بنا کر لوٹ لیا
جو بھی بہکا خضر بنا
راہی رستہ بھول گیا
چوراہوں پر قتل ہوا
لیکن قاتل مِل نہ سکا

آستین میں سانپ پلا
بے خبری میں کاٹ لیا
جان پہ اپنی کھیل گیا
ایسا بھی اِک یار مِلا
گھر ہے رنج کا یہ دنیا
تشنہ اب محسوس ہوا
آنکھ کھُلی تو کیا ہوگا
سوچا تو دل ڈوب گیا
میں فانی ، فانی دنیا
اب جاکر یہ بھید کھُلا

اے میرے مولیٰ یہ بتا
انساں کی تقدیر ہے کیا
یہ خوابِ غفلت کی بَلا
کب ہوگی آنکھوں سے بدا
اب تو یہ ارماں ہے مرا
تجھ میں گمُ ہوجاؤں خدا
عِشق کا تیرے ہو سودا
عِشق میں دل ہوجائے فنا

یارب کر وہ آنکھ عطا
جس سے دیکھوں تجھ کو سدا
لاثانی اے ذاتِ خدا
تو لافانی ، تو یکتا

دوشعر

قصۂ غم کی انتہا کر دوں
ہر طرف حشر سا بپا کر دوں
میرے دل میں جو قلزمِ غم ہے
اس سے تجھکو بھی آشنا کر دوں

مُسافتِ ناگہانی

وہ آگ چِتا کی ہو یا قبر کا سناٹا
طے کرنا ہے آخر تو سب کو یہ سفر تنہا
رستہ بھی جہاں تم ہو، راہی بھی جہاں تم ہو
منزل ہی وہ ایسی ہے، ہوگا نہ کوئی دوجا

سامانِ سفر ہر دم تیار رکھو لوگو
کیا جانے کب آجائے حکم اُس کے بُلاوے کا
کیوں فکر میں غلطاں ہو، اولاد کی خاطر تم
مِل جائے گا اُن کو بھی مقسوم میں جو ہوگا

خوشبو کی طرح ہوں گے ہمراہ یہی ہمدم
اعمال کی اُجرت تو دیتا ہے وہی یکتا
تُم جن سے لپٹتے ہو، جان اپنی چھڑکتے ہو
اِک قرض کی ہے مہلت دے جائینگے سب دھوکا

دفنائیں لحد میں اب، یا پھونک دیں شعلوں میں
سونا ہے تمہیں تنہا، جلنا ہے تمہیں تنہا
کہتے تھے جسے تشنہؔ اچھا یا بُرا تھا وہ
دُنیا سے گیا اب تو، واپس نہیں آنے کا

سفر در سفر

اِس بحرِ ہست و بود میں
جونہی ہوئی نمود
گویا کہ ابتدائے دمِ واپسیں ہوئی
اک کشتیِ حیات ہوئی تھی ابھی رواں
کرنے لگی وہ لوٹ۔ کے جانے کا اہتمام
کھولیں تھیں ذوقِ دید نے آنکھیں ابھی ابھی
نقارہ رُخصتی کا یکایک ہی بج اُٹھا
یہ زندگی نہیں تھی، یہ تھا پَرتوِ اجل
جسمیں حیات ڈوب کے مٹنے کو تھی مگر

ہستی کے صاف و سادہ ورق پر آتے ہیں جس گھڑی
ذہنِ رسا کے چند ہیولے بھی ایک بار
تخلیق و اختراع پہ اُتر آتے ہیں تمام
ہر مادّے، ہر ایک سیّال کو
دیتے ہیں پھر سے ایک نئی زندگی کا رنگ

انتساب

اُس پاکیزہ خیال کے نام

جو

سطحِ تصوّر پہ اُبھرتے ہی ایک لمحۂ مقدس
میں تحلیل ہونے لگتا ہے اور پھر ایک تخیلی پیکر
کے سانچے میں ڈھلتا ہوا گرد و نواح کے
خود ساختہ ماحول کو عالمِ از خود رفتگی میں
اپنی گرفت میں لے لیتا ہے اور ایک انجانے
احساس کو جنم دیتا ہے۔ خوبصورت اَچھُوتا
عجیب سا احساس ——

یوگندر بہل تشنہ

اپنی انا کے واسطے
کھینچ لیتے ہیں کبھی جب ایک مرکز کی طرف
اپنی رقیق ہستی کے سارے وجود کو
کچھ فاصلہ ہو کم تو ملے کیفِ دائمی
ہر لمحہ زیست ملتی ہے
ہر لمحہ موت جھپٹتی ہے سانسوں کی پہنائیوں سے
ہستی کا کرب دیکھ کے روتا ہے آدمی ۔

تین شعر

یہ رہزنی، یہ قتل، یہ ہر گام حادثے
اے گردشِ حیات کوئی کس طرح جیے
یہ درد کی ہوا کسی آندھی سے کم نہیں
بجھنے لگے ہیں شام سے اُمیّد کے دیے
اے نامُرادِ غم کو فرصت بہت ہے کم
ارمان رہ گئے ہیں جو دل میں نکالیے

کیفِ لطیف

(ایک مردِ کامل سے ملاقات کا تاثر)

کیا سُرورِ خامشی
ایک ٹھہرا ہوا "لاوقت" ذہن
ایک خاموش، خیالات سے مُبرّا ذہن

قوتِ ادراک جہاں
معلوم کے سانچے میں ڈھلے
ایسا ٹھہرا ہوا سکوت، جمود
پُرسکون ذہن پیدا کرے
قوتِ لاثانی
علم، پوشیدہ چٹانوں سے تراشا جائے
پھر نہاں خانۂ ادراک سے
سیہ الفاظ
سایوں سے گذارے
میں سوچتا ہوں، میں نے پالی
ایک "اُس کی" جھلک

فقط سوچ تو علم نہیں
اور باتیں اُٹھا دیتی ہیں
دیواریں پھر سے

میں اُگاؤں گلاب
ابھی شاداب ہے دل کی زمیں
اور حاجت ہے اِسے صرف عمل کی
پیار ، محبت ، چاہت ۔

سرابوں میں سمندر

سُن ذرا غور سے کیا کہتا ہے قدرت کا نقیب
نیک و بد تجھ کو پکاریں گے وہ دن اب ہے قریب
ہاتھ وہ تجھ کو نظر آئیں، نہ آئیں، لیکن
وہی خوشیوں کے بھی داتا، وہی ضربِ تادیب
تیری ایجاد نہیں عقل ہے اُس کا تحفہ!
تو ابھی عقل کی بُنیاد پہ ہے اُس کا رقیب
وہ تو خود تیرا مقدّر ہے، تری قوّت ہے
ورنہ ہوتا نہ تجھے جذبۂ رِندانہ نصیب

عمر بھر تُو نے کسی پیاسے کو ایک بوند نہ دی
اب یہ خواہش ہے تری بادل و دریا ہوں حبیب
جب کیا اپنی ہوس سے کیا سودا تُو نے
تیرے اعمال ہیں عبرت، ترا انجام عجیب
جس نے دولت کو کبھی راہِ خدا میں نہ دیا
حشر میں وہ ہی نظر آئے گا نادار و غریب
حق پرستوں ہی کی قسمت میں ہیں تاریخ ہے یہ
اہلِ باطل کو نہیں ملتے کبھی دار و صلیب
حق سمجھتا ہے ہر اک پاپ کو زر کی خاطر
اے سگِ زر یہ سمجھ لے، ہے ترا انت قریب
تجھ کو دعویٰ ہے جو تقدیر بنا لینے کا
پھر گلہ کیوں ہے تجھے دشتِ حقیقت کا حبیب
کسی مسکین پہ ڈالی ہے کبھی، نظرِ کرم
کس طرح، کیسے تجھے پیار کی دولت ہو نصیب
تُو نے شکوے نہ سُنے، درد کے ماروں کے کبھی
کیوں ترے لب پہ شکایات کا دفتر ہے حبیب
تم بھی گر تشنہ ہی بنتے تو تمھیں بھی ملتا
یہ جو تشنہ کو سرابوں میں سمندر ہے نصیب

حیات علی خاں

آگئی اکیس ستمبر کی بہار
دوسرا یومِ ولادت خوش گوار

آکروں نورِ نظر میں تجھ سے پیار
خوب روشن ہوں ترے لیل و نہار
وقت اور موسم کریں تیرا طواف
زندگی ہو تیری حرفِ افتخار
یہ جہاں فانی ہے، ہستی بے ثبات
تو کرے کیوں ایسی باتوں کا شمار

تیرے ماتھے پر ہو روشن آفتاب
چاند تارے تیرے در پہ ہوں نثار
نور کا نقطہ ہے تیری ذات ابھی
کل بنے گا روشنی کا اعتبار
ملتیں گمراہ ہیں، دنیا تباہ
ہو سکے تو ان کو کرنا باشعار

یہ ترے ضامن و تشنہ تیری ماں
سب کے ہونٹوں پر دعا ہے جاوداں
ذات تیری ہو درخشاں دہر میں
تجھ پہ ہو ساری خدائی مہرباں

(ضامن علی خاں کے بچے کی دوسری سالگرہ پر)

رفاقتیں کیسی

(جناب شیام لال چوپڑہ کی نذر)

(جو اپنی بیوی کو ہاسپٹل میں داخل کرکے
انھیں تنہا چھوڑ کر، مجھ سے ملنے کا وعدہ ایفا کرنے چلے آئے)

مری ضرورت سے تھا مقدّم وہاں ٹھہرنا، تو کیوں نہ ٹھہرے
ندیم میرے! گنوا دیئے کیوں رفاقتوں کے وہ پل سنہرے
کسی کو بیمار و مضطرب سا اکیلا تم کیسے چھوڑ آئے
تمہیں یہ احساس بھی ہوا تھا کہ داغ آئیں گے دل پہ گہرے
کسی کی حسرت کا خون کرکے جلائی شمعِ اُصول تم نے
کہ سرد آہیں بجھا نہ ڈالیں محبتوں کے چراغ چہرے
یہ کیسا رنگِ طرب تھا تشنہؔ کسی نے جس کا سکون چھینا
کسی نے وعدہ نبھا اپنا، کسی کی آنکھوں میں اشک ٹھہرے

عابد اور عاصی

(جب ایک ہی لباس میں جلوہ افروز ہوں)

کِسی کی منطق بضد ہے اُس سے کہ صاف رکھّے حسابِ انساں
ملے کہیں سے اگر مسرّت وہیں پہ لوٹائے رنج یکساں
یہ زندگی جب عطا ہوئی تھی ثواب بھی تھے گناہ بھی تھے
وہ کس کو اپنائے، کس کو چھوڑے یہی تذبذب ہے دلمیں رقصاں
یہ کفر و ایماں کی پوتھیاں کیوں وہ لیکے جائے جہاں سے آخر
یہیں پہ کر لے نہ کیوں برابر غم و خوشی کا حساب پنہاں
کرے ہے جتنے گناہ عاصی، نمازیں اُتنی پڑھے ہے عابد
ملے گا فردِ عمل میں سب کو عذاب یکساں، ثواب یکساں
جبیں پہ اُسکی نشانِ سجدہ، مجھے تحیّر ہوا ہے تشنہ
کبھی وہ دن بھی خدا دکھائے عمل پہ اپنے وہ ہو پشیماں

THIS EBOOK IS DOWNLOADED FROM
SHAAHISHAYARI.COM

LARGEST COLLECTION OF URDU
SHERS, GHAZALS, NAZMS AND EBOOKS.

رفیقۂ حیات کی نذر

شاعر اپنی رفیقۂ حیات اور بچوں کے ہمراہ

نژادِ نو

جو ہم پہ بیتی ہے ہم نشینو! عجیب بھی ہے طویل بھی ہے
ہماری ہستی کا حادثہ وہ شعور کا سنگِ میل بھی ہے
ہمارے شاگردِ اوّلیں نے اُتارے زہریلے دل میں نشتر
دکھائی دیتا تھا حرفِ خدمت تو ہم نے سمجھا خلیل بھی ہے
اُسی بھروسے کی آڑ لے کر اُجاڑی اُس نے ہماری دنیا
کہا یہ اُن سے کہ وہ ہے آقا حبیب بھی ہے کفیل بھی ہے
بنا حریفوں کا وہ مسیحا ہمیں لگا سانپ آستیں کا
عجب تذبذب میں ہیں کہیں کیا کہ اس کا ظاہر شکیل بھی ہے
اُٹھائے لاش اعتماد کی ہیں کہ حسنِ ظن کا شکار ہیں ہم
وہ اگلی قدروں کو روند کر بھی بڑا دکھی ہے قتیل بھی ہے
کہاں ہے اب نسلِ نو میں تشنہ پرانے لوگوں سا رکھ رکھاؤ
ہمارا شاگردِ اوّلیں ہی رقیب بھی ہے، خلیل بھی ہے

مدن موہن بہل (مرحوم)

مرحوم مجھ سے تین سال بڑے تھے اور تلاشِ معاش کی خاطر کلکتہ چلے گئے تھے اور ہر کس و ناکس کے کہنے کے باوجود تیس ۳۰ سال کلکتے میں رہے۔ گرد و نواح کے ہر شخص کا پیار حاصل کیا، ہر کسی سے بے لوث محبت کرتے رہے۔ قدرت کو ان کی حالت پر ترس نہ آیا اور ایک دن چلتے چلتے موصوف گرے اور پھر چند دن ہسپتال میں رہ کر ہم سب کو داغِ مفارقت دے گئے۔ ۳ر مارچ ۱۹۸۳ء

سانحہ کیسا تری تقدیر نے لکھا ہے آہ
اے مدن موہن ترے مرنے سے یہ دل ہے تباہ
خطۂ دلی تری فرقت میں تھا کب سے اُداس
دوستوں کی آنکھ بھی محروم ہے اب تجھ سے آہ
تو کہ تھا حق کا پجاری حق نہ راس آیا تجھے
اس سیہ دنیا میں جیتے ہیں فقط کچھ روسیاہ
تو گیا پردیس تو پھر دیس کو لوٹا نہیں
دیکھتی تھی دیس کی دھرتی ترے آنے کی راہ
دیس اک اپنا بسایا تو نے پھر پردیس میں
باغ سے روٹھی ہوئی بلبل نے لی جنگل کی راہ
عالمِ غربت میں سب کو چھوڑ کر تو چل دیا
دشتِ غربت میں رہا، تو نے اجل سے کی نباہ

حق میں سب احباب کے نشکام تھے سب تیرے کار
موت کے بستر پہ کیوں رہتی تجھے خدمت کی چاہ

تجھ سے آدابِ وفا سیکھے زمانے کا مزاج
پیار تھا بیٹے سے اپنے چل پڑا بیٹے کی راہ
اے مدن موہن ، ترے مرنے پہ آہ
اے مدن موہن ، ترے مرنے پہ آہ

(مدن موہن کا جواں سال بیٹا چند برس قبل اس جہانِ فانی سے کوچ کر گیا تھا)

۳ر مارچ ۱۹۸۳ء

ایک شعر

سوا غم کے تمہارے مجھکو کوئی آرزو کیوں ہو
رہے برسوں سے تم دل میں کسی کی جستجو کیوں ہو

نقوش

(حضرتِ ساغر نظامی کی رحلت پر)

"اب یہاں کوئی نہیں آئے گا"
کوئی آہٹ نہیں آئے گی مرے کانوں میں
کسی دستک پہ نہ دل دھڑکے گا
کوئی مونس، کوئی ہمدرد نہیں آئے گا
دل میں جذبات گھٹا بن کے اُمڈ آئیں گے
ذہن کے پردے پہ کچھ خواب سے لہرائیں گے
وہ ترا پیار، وہ قربت، وہ محبت، وہ خلوص
دستِ شفقت کا وہ لمس
درد کا درماں ہونا
بات وہ بات کہ ہر بات کسی فکر میں گُم
فکر وہ فکر کہ ہر فکر خم و پیچ میں گُم
اعتنائی ہے نہ وہ بات، نہ وہ فکر، فقط
ایک تنہائی ہے، تنہائی ہے، تنہائی ہے

اب نہ وہ جدّتِ افکار، نہ وہ نُدرتِ شوق
تا نظر صرف خلاء۔ ایک خلاء، گرد و غبار
اب یہاں کوئی نہیں آئے گا صدیوں قرنوں
اور یوں
دُھندلاتے چلے جائیں گے یادوں کے نقوش
ایک اک کرکے بجُھا دے گی ہَوا سارے چراغ

شیشہ گری

کس قدر بے بسی کا عالم تھا
تجھ سے جب منقطع ہوا رشتہ
گرمیٔ خوں تلک رہا قائم
جسمِ خاکی سے خون کا رشتہ
ایک ہچکی میں دم ہوا آخر
کتنا نازاں یہ جسمِ خاکی تھا
ذہن مفلوج تھا دمِ آخر
بند آنکھوں میں ایک منظر تھا
لمحہ لمحہ ہزار اندیشے
نشۂ زیست ہائے کیسا تھا
عمر بھر منتظر رہیں آنکھیں
ہائے اُلفت کا عہد کیا گذرا
ایک عالم تھا مفلسی کا بھی
دردِ فرقت بھی ایک عرصہ تھا

فکر تھی ، حرص تھی ، جُدائی تھی
دل کہ فرقت میں عمر بھر تڑپا
یاس و حسرت کی بھی نوازش تھی
رنج و غم کا بھی اِک تقاضہ تھا
تشنہؔ جو زندگی کا تھا وعدہ
ربِ عالم نے یوں کیا ایفا

اجنبی آواز

بے چارگی کا کچھ ہوا احساس جس گھڑی
آنکھیں بھر آئیں ، روح مری بلبلا اُٹھی
کیا جانے کس نے توڑ دی برسوں کی خامشی
کانوں میں ایک اجنبی آواز گونج اُٹھی

مشغول تو رہا ہے تلاوت میں رات دن
پابندیاں بھی دل سے کیں صوم وصلوٰۃ کی
اپنائے نیک کام، چلا راہِ راست پر
رکھتے برت بھی، پیاسا رہا، یاترا بھی کی
بندوں سے اُس کے پیار بھی بے انتہا کیا
اور ہر طرح سے اُن کی بجھائی ہے تشنگی
تقدیسِ جسم کے ہیں ترے روز و شب گواہ
تقویٰ و زہد کی بھی ترے داستاں سُنی

صد حیف پھر بھی تو ابھی منزل سے دور ہے
آنکھوں سے ہے عیاں تری یاس اور بے کلی
تو ! آج تک ہے اجنبی راہِ نجات سے
اب دو قدم بھی چلنے کی ہمت نہیں رہی

منزل کا قرب یہ کہ ہے شہ رگ سے بھی قریب
یہ کس بھنور میں ڈال دی کشتی حیات کی
مانا تو اُس کی یاد سے غافل کبھی نہ تھا
تشنہ ! تری "انا" نے مگر خود کشی نہ کی

گیت

پیا سنگ کیسے نین مِلاؤں
دیکھوں تو مجھے لاج لگے ہے
دیکھوں نا تو مر جاؤں
پیا سنگ کیسے نین مِلاؤں

چھُپ کر دیکھوں پیاس بجھے نا
وہ دیکھیں شرماؤں
پیار سے وہ نینوں میں جھانکیں
تڑپ اُٹھوں، بل کھاؤں

ایک دیوار گرے گھر کی تو دل دُکھتا ہے
میرے خوابوں کے تو سب تاج محل ٹُوٹ گئے

دل دھڑکے اور چھتیاں پھڑکیں
جونہی نین ملاؤں
پیا سنگ کیسے نین ملاؤں

نین لگے اب نین ملیں نا
نینن نیر بہاؤں
نین پیا کے مدکا ساگر
ساگر سے ٹکراؤں
پیا سنگ کیسے نین ملاؤں

پی کے نین میں جادو من کا
موہت ہو ہو جاؤں
نین پیا اک جوالا دل کی
اگ میں آگ لگاؤں
آگ سے آگ بجھے نا
پل پل جلتی جاؤں
پیا سنگ کیسے نین ملاؤں
پیا نین ساون کے بادل
میں جھوم جھوم جاؤں
نین پیا میں پریم سرشٹی

دیکھوں سرشٹی پاؤں
پیا سنگ کیسے نین مِلاؤں

نین ملیں تو نین ہی بولیں
من کا بھید چھپاؤں
پیا نین میں پریم مِلن کا
جس میں شرماؤں
پیا سنگ کیسے نین مِلاؤں

ظفر ادیب

ایک مختصر کریکٹر اسکیچ

وہ اِک آدمی تھا فرشتہ خصائل
تہی دست، کم گو، محبّت کا سائل
کٹی عمر ساری غریبی میں اُس کی
غلط راہ پر ہو سکا پر نہ مائل
کیا طے سفر اُس نے یوں زندگی کا
رہِ راستی کا رہا دل میں قائل
اُصول وضوابط کا چھوڑا نہ دامن
اُسے گرچہ گھیرے ہوتے تھے مسائل
قناعت کا پُتلا رہا زندگی بھر
ہُوا پر نہ حِرص وہَوس پر وہ مائل
معلّم تھا، شاعر تھا، وہ ذہنِ روشن
خود اپنے میں عِلم وادب کا تھا مخزن

لٹاتا رہا علم کے وہ خزانے
اُگاتا رہا نخلِ اُردو کے گلشن
مُنافق نہ تھا وہ ضمیرِ صداقت
رہی زندگی اُس کی اِک اُجلا درپن
وہ فرقہ پرستی کی حد سے تھا باہر
صداقت کا پیکر، ہر اک دل کی دھڑکن
زمانے کے تیور سے وہ بے خبر تھا
مگر ہر جہت تھا وہ بالا نشیمن
ظفرؔ نے کیا کوچ جب اس چمن سے
ہر اک آنکھ نم تھی، ہر اک لب پہ شیون
بہت دیر کے بعد ضامنؔ نے ڈھونڈھا
اندھیروں سے گمنامیوں کے نکالا

ہوئی ڈھونڈنے میں بہت اُس کے دیر
کہ گدڑی میں اِک لعلِ اُردو زباں تھا
ظفرؔ تھا خلوص و محبّت کا پیکر
رضا کار خادم تھا اُردو ادب کا
وہ بے لوث خدمت گزارِ ادب تھا
نہ شہرت، نہ کچھ شوقِ نام و نسب تھا
گزرتا تھا گلیوں سے وہ سر جُھکائے
مگر دوسروں سے بلند اُسکا سر تھا

کیا علم تقسیم اپنا سبھوں میں
ظفرؔ تو ظفرؔ تھا کہاں اُس کا ہمتا
وہ تھا رُوپ میں آدمی کے فرشتہ
ہر اِک دل سے تشنہؔ ظفرؔ کا تھا رشتہ

دو شعر

بے گنتی خواہشات میں اُلجھا ہے آدمی
تکمیل ایک جنم میں ممکن ہے چند کی
ملتا ہے یوں بشر کو فقط رنج و بے دِلی
بے آرزو نصیب ہو گا کیف دائمی

(از سوامی شوانند جی ۔ انگریزی سے ترجمہ ۔ یکم جنوری ۱۹۸۲)

گئے دن یاد آتے ہیں تو دل پر چوٹ لگتی ہے
تمہیں خاموش پاتے ہیں تو دل پر چوٹ لگتی ہے
کسی کا دیکھنا ترچھی نظر سے اک قیامت تھا
وہ لمحے گدگداتے ہیں تو دل پر چوٹ لگتی ہے
شفق میں بجلیوں کا اب تڑپ جانا نہیں بھاتا
ستارے جگمگاتے ہیں تو دل پر چوٹ لگتی ہے
میں تیرے پاس ہوتا تھا، تو خود کو بھول جاتی تھی
وہ منظر یاد آتے ہیں تو دل پر چوٹ لگتی ہے
تری اُلفت بھی دھوکا تھی، ترے وعدے بھی جھوٹے تھے
تری باتیں سُناتے ہیں تو دل پر چوٹ لگتی ہے
مرے ہونٹوں پہ نالے ہیں، کبھی نغمے بھی تھے اِن پر
تغیرِ رنگ لاتے ہیں تو دل پر چوٹ لگتی ہے
شرابِ عشق پینے سے تو گھبرایا نہیں تشنہ
قدم اب لڑکھڑاتے ہیں تو دل پر چوٹ لگتی ہے

تو جو نہیں تو سونا جہاں ہے ترے بغیر
ہر لمحہ جیسے قیدِ گراں ہے ترے بغیر
تو ہے چراغِ زندگی، تو ہے سرورِ مے
ہر ذرّہ ظلمتوں میں نہاں ہے ترے بغیر
سینے میں ایک آگ دہکتی ہے رات دن
آنکھوں سے اضطراب عیاں ہے ترے بغیر
ہر اک ولی ہے سوچ میں، ہر رند سر بکف
محشر کدہ زمین و زماں ہے ترے بغیر
آبادیوں میں جب نہ مِلا تیرا کچھ سُراغ
دل آج سوئے دشت رواں ہے ترے بغیر
بھاتا نہیں ہے دل کو کوئی راگ، راگنی
سازوں میں پہلی بات کہاں ہے ترے بغیر
نِکلا تھا ڈھونڈھنے تجھے اتنی خبر تو ہے
کیا جانے تشنہ کھویا کہاں ہے ترے بغیر

جاتے جاتے دے گئے تم کیسا غم
آنکھیں تنہائی میں ہو جاتی ہیں نم
دل پہ کیا بیتے گی سورج ڈھلنے تک
ہجر کی شب ڈھائے گی کیا کیا ستم
پیار کا جویا تھا، جس کو مجھ سے پیار
آج اُس نے توڑ ڈالا سب بھرم
دوش پر رکھے صلیب احساس کی
چشمِ باطن سے نظر آئیں گے ہم
اے خدا دے ضبطِ غم کا حوصلہ
کھنچ کے آتا ہے لبوں پہ آج دم
کون کہتا ہے کِسے تشنہؔ عزیز
وقت کی میزان ہیں لوح و قلم

دلِ حزیں کے لیے قیامت ہے تیری یہ بے رُخی کا عالم
یہ کج ادائی، یہ کم نگاہی، نہیں ہے زخمِ جگر کا مرہم
کبھی تو رہنا کھنچے کھنچے سے، کبھی محبّت بھری نگاہیں
بتاؤ تو یہ مزاج کیا ہے، کبھی ہو شعلہ، کبھی ہو شبنم
مجھے تم اپنا نہ سمجھو لیکن تمھی ہو میری نِگہ کا مرکز
یہ زندگی، زندگی ہے تم سے، تمھی سے ہے جاں فزا یہ عالم
میں زندگی کی یہ اُلجھی زُلفیں سنوارنا چاہتا تھا لیکن
نہ دے سکے ایک پل کی فرصت مجھے مقدر کے پیچ اور خم
بھلے ہی وہ بُت خفا ہے تشنہ مری پرستش جواں رہے گی
یہ رات اماوس کی کب تک آخر کبھی تو بدلے گا رنگِ موسم

قطعہ

تجھ کو نفرت ہے میری چاہت سے
مجھ کو اُلفت ہے تیری نفرت سے
زندگی کی اُداس راہوں میں
ہو نہ محروم ایسی نعمت سے

دل لگاؤں تو کیا تماشا ہو
غم اُٹھاؤں تو کیا تماشا ہو
اُن کو آتا نہیں منانا بھی
روٹھ جاؤں تو کیا تماشا ہو
دل دُکھاتے ہیں جو مِرا، اُن کو
میں ستاؤں تو کیا تماشا ہو
صید بن کر تری نگاہوں کا
مَر بھی جاؤں تو کیا تماشا ہو
یہ جھجک، یہ حیا، یہ ناز و ادا
گُدگُداؤں تو کیا تماشا ہو
میری چُپ پر بپا ہے ہنگامہ
لب ہلاؤں تو کیا تماشا ہو
چشمِ ساقی کی شہ پہ اے تشنہؔ
میں پلاؤں تو کیا تماشا ہو

پیش لفظ

ہر چند ہو مشاہدۂ حق کی گفتگو　　　بنتی نہیں ہے بادہ و ساغر کہے بغیر

(غالبؔ)

دراصل شاعر گُل و بُلبُل، مے و مینا، زُلف و رخسار کے درپردہ اشاروں اور کنایوں میں اپنی بات کہتا ہے، اور جب تک زلفِ یار، یا کوئے یار کی باتیں نہ ہوں مزہ ہی نہیں آتا۔ لیکن آج شاعری ان حدود سے باہر نکل آئی ہے۔ اب تو صاف صاف بات اور وہ بھی صاف الفاظ میں ہو تو ہی اچھی لگتی ہے۔ اب جبکہ دنیا بہت آگے نکل چکی ہے، فن اور فن کے تقاضے بدل چکے ہیں ہم لب و رُخسار کی باتیں کر رہے ہوں تو اچھا نہیں لگتا۔ شاید جگرؔ صاحب نے ایسے ہی موقعے کے لیے حقیقت شناسی سے کام لیتے ہوئے کہا تھا:

فکرِ جمیل خوابِ پریشاں ہے آج کل
شاعر نہیں ہے وہ جو غزل خواں ہے آج کل

اِن ہی خیالات کے ہنگامے اور حسرت و یاس کے ہجوم میں میرا شاعری کا سفر ۱۹۴۳ء سے شروع ہو کر ۱۹۸۷ء تک آیا ہے۔ اس عرصے میں نوشہرہ ضلع پشاور سے نکل کر ملک کی تقسیم کے حالات سے گزرا — پیٹ بھرنے کے لیے ہوائی فوج میں بھرتی ہوا؛ جہاں میری ملاقات اندر سروپ دت نادانؔ صاحب سے ہوئی اور اسی دوران ہم دونوں کئی سالوں تک ایک ساتھ افسانے لکھتے رہے اور شاعری کرتے رہے۔ پچھلے دس سال سے متعدد شعراء اور ادیبوں کی صحبت نصیب ہوئی جس میں ساغر نظامی (مرحوم) ظفر ادیب (مرحوم)، ڈاکٹر حیات اللہ انصاری، ڈاکٹر تنویر احمد علوی، پریم پال اشکؔ، رام پرکاش راہیؔ، گلزار دہلوی، ڈاکٹر اسلم پرویز، عشرت قادری (جن سے میرے تعلقات ایک چوتھائی صدی سے ہیں) سیّد ذہین نقوی،

حریمِ ناز کے پردے اُٹھا رہا ہے کوئی
عجب بہار سے جلوے دِکھا رہا ہے کوئی

اگر شراب نہیں ہے، نہ ہو خُمار تو ہے
سُرورِ عشق سے بے خود بنا رہا ہے کوئی

خجل ہو وادیٔ سینا بھی جس کے جلووں سے
کچھ ایسے پردے نظر سے اُٹھا رہا ہے کوئی

خیال اُس کا کسی طرح بھولتا ہی نہیں
تصوّرات میں رہ رہ کے آ رہا ہے کوئی

گُماں میں بھی نہ تھا چاہتوں کا یہ انجام
جھٹک کے ہاتھ سے دامن وہ جا رہا ہے کوئی

تجھے خبر بھی ہے کچھ محوِ آئینہ داری
چراغ اُمیدوں کے دل میں جلا رہا ہے کوئی

دِکھاؤں کس کو دلِ داغ داغ اے تشنہ
مری سرشتِ وفا آزما رہا ہے کوئی

راہ منزل کی تاریک و پُر خار ہے، ہر قدم پر مصائب کا ہے سلسلہ
تو نے چھوڑا مجھے جانے کس موڑ پر، دردِ فرقت مرا ہمسفر بن گیا
تہہ میں ہر ایک طوفان خاموش تھا، کشتیِ جاں سُبک سیر تھی جانِ من
جب سے تیری نگہہ پڑ گئی ہے اِدھر، دل کے دریا میں ہے اک تلاطم بپا
اُن سے ملنے کی حسرت رہی ہر گھڑی، اشک آنکھوں میں ٹھہرے رہے روز و شب
عین ممکن ہے اس حال میں دیکھ کر، سُن ہی لیں وہ کسی دن مری التجا
تو رہے زندگی میں خدا کی طرح اور تیرے سوا کوئی ارماں نہ ہو
جان و دل پر رہے تو سدا حکمراں، میرا سرمایہ ہو صرف تیری وفا
اُس سے مِل کر مرے گھاؤ تازہ ہوئے، کام آیا نہ باتوں کا مرہم کبھی
جس مسیحا پہ ٹھہرا تھا میرا یقیں وہ مسیحا بھی کب زخمِ دل بھر سکا
غم ہیں اپنی جگہ، درد اپنی جگہ جو سُنا تھا بزرگوں سے سب تھا غلط
زخم گہرے ہوں کتنے ہی بھر جائیں گے وقت ہے خود ہی ہر ایک غم کی دوا
آہ الفت کی تشنہ یہ چنگاریاں جانے کتنے دلوں میں سُلگتی رہیں
کوہکن نے پہاڑوں کو ریزہ کیا، کوئی وحشت میں صحرا کی جانب گیا

یاد اُن کی آئی آنکھوں میں آنسو مچل گئے
پلکوں پہ انتظار کے سو دیپ جل گئے
سرگرمیٔ عمل کا یہ اعجاز کم نہیں
میرے بدن سے طوق و سلاسل پگھل گئے
ہم کو کسی کے غم کا سہارا جو مل گیا
زخموں پہ اپنے اشک بہائے سنبھل گئے
ہم ہی نہیں، تجھے بھی ستایا فراق نے
دونوں ہی غم کے سانچے میں اِس طرح ڈھل گئے
پلکیں ترے خیال سے بھیگیں کچھ اس طرح
تنہائیوں کے درد پھر اشکوں میں ڈھل گئے

اب چاہتا ہے ساقیٔ میخانہ ہم سے کیا
بے کیفیوں کے بیچ بھی تشنہ سنبھل گئے

عشق کی آزادیاں ، بیداریاں
بڑھ رہی ہیں حسن کی دلداریاں
دیکھتے ہو تم جو سینہ داغ داغ
ہیں یہ چشمِ شوخ کی گُل کاریاں
کیا کریں معجز نُما عیسیٰ نفس
لا دوا ہیں دل کی یہ بیماریاں
رات بھر آرام سے وہ محوِ خواب
میری آنکھوں میں فقط بیداریاں
عِشق میں جب جاگ جاتی ہے انا
حُسن پھر کرتا ہے خود دل داریاں
اندر اندر آگ بڑھتی ہی گئی
عِشق نے دہکائیں وہ چنگاریاں
تشنہ جس کو میکدہ کہتے ہیں لوگ
ہم نے دیکھی ہیں وہاں دلداریاں

آتی ہے فغاں لب پہ مرے قلب و جگر سے
کھل جائے نہ یہ بھید کہیں تیری نظر سے
رکھا ہے ترے غم کو ہمیشہ تر و تازہ
ٹپکا لہو آنکھوں سے، کبھی زخمِ جگر سے
لے چھوڑ دیا شہر ترا، کہنے پہ تیرے
اب، ہو گئے ہم دور بہت تیرے نگر سے
دنیا پہ ہوا رازِ محبت کا یوں افشا
تڑپایا بہت تو نے، اُٹھایا ہمیں در سے
منسوب ہیں تجھ سے جو محبت کے فسانے
وقت آیا تو لکھیں گے کبھی خونِ جگر سے
سینے میں کہیں رُکتا ہے سیلابِ جنوں خیز
دل خون ہوا میرا محبت کے اثر سے
سیلابِ حوادث بھی ہوا شرم سے پانی
آنکھوں سے مری اشک کچھ اس شان سے برسے

ہم کہہ نہ سکے حال کبھی اپنی زباں سے
تم نے بھی نہ پوچھا کبھی رُسوائی کے ڈر سے
یہ حال بھی ہوتا ہے محبّت میں کسی کا
ٹکرانا ہے دیواروں سے، باتیں کبھی در سے
تشنہ کو نہ راس آئیں محبت کی نگاہیں
خوش کام ہوا ہوگا کوئی اُنکی نظر سے

چار شعر

رات جب تک جوان رہتی ہے
چاندنی مہربان رہتی ہے
حُسن تو تا ابد نہیں رہتا
عِشق کی داستان رہتی ہے
ہار جاؤ تو کچھ نہیں مِلتا
عزم والوں کی شان رہتی ہے
حال یہ ہے بہار میں تشنہ
رُت خزاں کی جوان رہتی ہے

منزلوں کے خواب تو اب ہو چکے ہیں پاش پاش
دوش پر اپنے اُٹھائے پھر رہا ہوں اپنی لاش

ہم بہت نزدیک سے گذرے تھے لیکن بے خبر
اُسکو میری جستجو تھی، مجھ کو تھی اُس کی تلاش

موسمِ ہجراں میں ہم دونوں کی یہ صورت ہوئی
اِک غزل معمورِ غم سے، ایک نغمہ دل خراش

درد سے بے تاب ہو کر دم بہ دم سوچا کیا
حال کیا اُس کا یہی ہے جس کو ہے میری تلاش

میں بڑھا آگے کہ جوڑوں شیشۂ دل کو مگر
بے نیازی سے تری وہ ہو چکا تھا پاش پاش

آج تم میرے بُلانے پر نہ آئے میرے پاس
اب مجھے آغاز سے کرنی ہے پھر اپنی تلاش

میکدے میں اِس طرح تشنہ بجھی ہے تشنگی
ساغر و مینا ہیں سالم، زندگی ہے پاش پاش

دل بھی اُداس اُداس ہے، نظریں بھی تشنہ کام
اے کاش کوئی ایسے میں لائے ترا پیام
چاہا تھا میں نے وقت کی زلفیں سنوار دوں
اربابِ وقت دیتے رہے پیچ و خم مُدام
اِس دور میں ہے سب سے بڑا جرم مفلسی
تدبیر سے نجات کا بھی کیجیے۔ اہتمام
آسائشِ زمانہ میسر ہو اب مجھے
یہ آرزو ہے اے دلِ ناداں خیالِ خام
ہر ایک شب کے بعد سحر ہوتی ہے مگر
تقدیر میں ہے میری ازل سے غموں کی شام
وہ آج ہنس رہے ہیں مِرے حالِ زار پر
گُذری ہے جن کے ساتھ مِری زندگی تمام
درہم ہے نظمِ میکدہ ساقی سے کیا کہیں
بیٹھے ہیں تشنہ ہم بھی لیے اپنا خالی جام

تیری آنکھوں سے ملی جنبش مِری تحریر کو
کر دیا میں نے مکمّل خواب کی تعبیر کو

جب محبّت کی کہانی لب پہ آتی ہے کبھی
"وہ بُرا کہتے ہیں مجھ کو، اور میں تقدیر کو"

اُف رے یہ شورِ سلاسل نیند سب کی اُڑ گئی
دو رِہائی آ کے تم پابستۂ زنجیر کو

یہ عرق آلودہ پیشانی، یہ رنج و اضطراب
دیکھ جا آ کر شکستِ عشق کی تصویر کو

زندگی یوں اُن کے قدموں پر نچھاور میں نے کی
جیسے پروانہ جلا دے نور پر، تقدیر کو

اے مِرے معصوم قاتل اتنی مہلت دے مجھے
چوم لوں آنکھوں سے اپنی برہنہ شمشیر کو

جس نے چاہت کے تجسّس میں گنوا دی زندگی
وہ کہاں توڑے گا تشنہ ظلم کی زنجیر کو

عشق ہے ناداں نہیں یہ دل لگی
عشق ہے در اصل جانِ زندگی

پھر سے اب رہنے لگا ہے انتظار
مُبتلائے غم ہے پھر سے زندگی

رازداں بھی تو نہیں اب رازداں
آدمی بھی اب نہیں ہے آدمی

کچھ بھی رکھ لو اپنی ناکامی کا نام
آرزو ، ارمان ، یا درماندگی

میں تلاشِ یار میں بھٹکا کیا!
اُس نے جانے کب مجھے آواز دی

چین لینے ہی نہیں دیتی مجھے
بے قراری بے صبوری ، بے کلی

تشنہؔ اس تہذیبِ نو کی دوڑ میں
چھا گئی انسان پر بھی بے رُخی

ابرار کرت پوری، واجد سحری، اور حکیم حیات جاوید، چند ایسے ہی احباب ہیں جو اکثر مجھے اپنی قیمتی مشوروں سے نوازتے ہیں؛ مگر ایسے بھی محرم قابلِ ستائش ہیں جن کا اصرار رہا کہ میں یہ بکھرے اوراق مجموعے کی شکل میں پیش کروں؛ جن میں ڈاکٹر خلیق انجم، ضامن مراد آبادی، شمیم احمد، شاہد سلطان صدیقی، محترمہ شمیم جہاں، ایم۔ جبیب خاں، گروپ کیپٹن ایس سی ورمانی، گروپ کیپٹن شیام لعل چوپڑہ، رمیش چوپڑہ، دیپک سیم سکواڈارن لیڈر راجندر سنگھ اور برادرِ عزیز مدن لعل گلاٹی قابلِ ذکر ہیں۔

اِن شعرا اور ادیبوں کی قربت کچھ نہ کچھ کہلوانے پر بضد رہی۔ دل سلسلۂ دار و رسن سے ہٹنا نہیں چاہتا۔ عقل دنیاوی ترقیاں چاہتی ہے۔ اسی کش مکش میں مبتلا رہا ہوں۔ میرے عزیز دوست ضامن مراد آبادی نے ٹھیک ہی کہا ہے ؎

عقل کہتی ہے کرو دولتِ دُنیا حاصل
دل کی یہ ضد ہے کہ وہ دار و رسن تک پہنچے

اپنے پیشے یعنی PEST CONTROL سے متعلق انگریزی میں کئی کتابیں اور مضامین لکھ چکا ہوں، ادبی رسائل میں بھی ۱۹۴۳ء سے چھپ رہا ہوں۔ شاعری کا مجموعہ پہلا ہی ہے۔ میں تو اتنا ہی سمجھ پایا ہوں کہ شاعر قوم کی امانت ہے اور اُسے ہر حال میں قوم کی خوشی و غم میں شریک رہنا لازم ہے اور کہ اُس کا قلم زندگی کی اُن قدروں کا امین ہے جسے کچھ لوگ ادب برائے زندگی کا نام دیتے ہیں۔ اس خیال کو مدِ نظر رکھتے ہوئے دوسرا مجموعہ "خونِ بہا" کے نام سے زیرِ طبع ہے۔ یہ جذبات و واردات کا مرقع اُن نظموں اور غزلوں پر مشتمل ہے جو ملک و قوم کے حالات سے متعلق کہی گئی ہیں۔

آخر میں ڈاکٹر سر محمد اقبال کے اِس شعر پر اپنی بات ختم کرتا ہوں ؎

میری صراحی سے قطرہ قطرہ نئے حوادث ٹپک رہے ہیں
میں اپنی تسبیحِ روز و شب کا شمار کرتا ہوں دانہ دانہ

یوگندر بہل تشنہ

۲۹ جولائی ۱۹۸۷ء

بُھولی بِسری باتوں کو اب کیوں دُہراتی ہے تنہائی
جُرمِ محبت یاد ہے کِس کو، دل نے اپنی سُدھ بسرائی
دردِ محبت بُھول گیا میں، بیتے دنوں کی یاد سے حاصل
اب تو یہ بھی یاد نہیں ہے، دل سے تھا کِس کا شیدائی
دل ہی دل میں پیار کیا، اظہارِ محبت کر نہ سکے، ہم
دیکھا جو تم کو جی بھر آیا، اشکوں نے کی رُسوائی
مدت گزری، اُن آنکھوں میں کھو جانے کی ٹھان چکے ہیں
جن آنکھوں میں جھانکتے دیکھی جھیلوں کی سی گہرائی
بیٹھے بیٹھے دل میں کسی کی، یادوں نے جب چُٹکی لی ہے
ساری رات آنکھوں میں گزاری، اِک پل ہم کو نیند نہ آئی
اپنا اب یہ حال ہے تشنہ، پیار میں سب کچھ ہار چکے ہیں
عُمر کٹی ہے اشک بہاتے، آگ یہ لیکن بُجھنے نہ پائی

کچھ اِس طرح کے ہم نے مسائل بنا لیے
اپنے ہی دوست مدِ مقابل بنا لیے

ہر کام اپنے آپ سے منسوب کر لیا
پیچیدہ زندگی کے مشاغل بنا لیے

جو کچھ مِلا وہ شعر میں لوٹا دیا تمہیں
کچھ واقعات یاد کے قابل بنا لیے

تیرا خیال زیست کا حاصِل بنا لیا
آسان اِس طرح سے مسائل بنا لیے

گذرے جو تیری چاہ، ترے انتظار میں
لمحے وہ ہم نے زیست کا حاصل بنا لیے

جس انجمن میں بیٹھے ہیں دو چار تُند خو
دشمن بنا لیے، کہیں قاتل بنا لیے

تیرے کرم سے تشنہ بھی تشنہ نہیں رہا
طوفان تھے جہاں وہیں ساحل بنا لیے

تیری ہستی خاک میں ڈھل جائے گی
دل نہ وحشت کر، زمیں جل جائے گی

آنکھ لگ جائے گی جس دن آپ کی
خواب جیسی کوئی شے چھل جائے گی

اے مری جانِ تمنا غم نہ کر
یہ خزاں کی شام بھی ڈھل جائے گی

پرسشِ احوال کو تم آئے تو
غم کی یہ ساعت ابھی ٹل جائے گی

اے مری تقدیر کے ساقی نہ روٹھ
تیرے تشنہ پر چھری چل جائے گی

THIS EBOOK IS DOWNLOADED FROM
SHAAHISHAYARI.COM

LARGEST COLLECTION OF URDU
SHERS, GHAZALS, NAZMS AND EBOOKS.

چھائے ہیں دل پر غم کے دُھندلکے
آنکھوں کے پیمانے چھلکے
یہ بھی عالم دیکھ رہا ہوں!
آئے ہیں وہ رُوپ بدل کے
ساز ہے دل کا لرزاں لرزاں
یاد وہ آئے غم میں ڈھلکے
پھوس کا چھپر سر پہ بہت ہے
خواب نہ دیکھو رنگ محل کے
تنہائی ہے منزل منزل
ساتھی ہیں سب اک دو پل کے
دل سے دل کی بات کرو کچھ
ہم آئے ہیں دور سے چل کے
حُسن کی رنگینی میں تشنہ
کھو ہی گئے ہم سنبھل سنبھل کے

درد و غم ، رنج و الم ، آہ و فغاں
سرگذشتِ عشق کی ہیں سُرخیاں
دل ہے میرا مائلِ فریاد آج
دیکھ کر اُن کے تغافل کا سماں
اک ذرا رُک جایئے ، سُن لیجئے
اِس دلِ رنجور کی بھی داستاں
آپ نے تو اک نظر دیکھا فقط
جل گیا تاب و تواں کا آشیاں
اے دلِ غمگیں نہ رو ، اِس دور میں
کون سُنتا ہے کسی کی داستاں
آتشِ اُلفت تو کب کی جل بجھی
رات دن سینے سے اُٹھتا ہے دُھواں
نظمِ میخانہ بدل کر رکھ دیں ہم
آؤ اے زندہ دلاں ، تشنہ لباں

ہائے یہ درد و غم و رنج و مصائب یہ الم
جتنے ہونے تھے مجھی پر ہوئے الطاف و کرم
دلِ رنجور ملا، زیست پریشان ملی
جانے کس جرم کا انعام ہیں یہ جور و ستم
زندگی تیری عطا ہے، مجھے تسلیم مگر
چار دن جی نہ سکوں ایسے بھی بخشے گئے غم
مجھ پہ الزام کہ منکر ہوں تری ذات سے میں
اور تو نے بھی تو کب رکھا خدائی کا بھرم
دمِ آخر بھی رہی دید کی حسرت دل میں
آنکھیں پتھرا گئیں پر کم نہ ہوئے تیرے ستم
زندگی کی کسی دل میں بھی نہیں آج امنگ
جس طرف دیکھتا ہوں چہرے ہیں مدھم مدھم
اپنے سینے سے لگائے ہوئے امید کی لاش
دلِ ناکام لیے تشنہ چلے سوئے عدم

قدم قدم پہ کھا رہی ہے ٹھوکریں جو زندگی
وفا کا ذکر کیا کریں، وفا جہاں سے اُٹھ گئی
کسی کا کون دوست ہے، کسی کا کون خیر خواہ
ہر ایک خود پرست ہے یہ دوستی ہے نام کی
سمجھ کے اپنا جس کو ہم نے دل کا حال کہہ دیا
وہ اِک نگاہ ڈال کر ہوا ہمیں سے اجنبی
دل و دماغ و عقل بھی ہیں کشمکش میں مُبتلا
اب اور لے کے جائے گی کہاں ہمیں یہ زندگی
تمہارا جرم پیار کا کوئی نہ تشنہ بخشے گا
کہیں نہ کام آئے گی یہ وفا، یہ جاں دہی

ایک شعر

ایک دیوار گرے گھر کی تو دل دُکھتا ہے
میرے خوابوں کے تو سب تاج محل ٹوٹ گئے

دن گیا ہجر کا اور شامِ فراق آئی ہے
درد کی دھوپ چھٹی، غم کی گھٹا چھائی ہے

آج فرقت میں تری مجھ کو یہ احساس ہوا
زندگی غیر ہے اور موت بھی ہرجائی ہے

اب یہاں کوئی نہیں کس کو میں اپنا سمجھوں
سب مجھے چھوڑ گئے عالمِ تنہائی ہے

کوئی سنتا ہی نہیں درد بھرے دل کی پکار
سب مجھے کہتے ہیں دیوانہ ہے سودائی ہے

تیرے جس درد کو سینے سے لگا کر رکھا
میری حالت کا وہی درد تماشائی ہے

میرے سینے میں کھلے زخمِ تمنّا کے گلاب
لوگ کہتے ہیں گلستاں میں بہار آئی ہے

جام بھر بھر کے تو اوروں کو دیئے جاتے ہیں
میں تو تشنہ ہوں مجھے تشنگی راس آئی ہے

تمثیل وار خطوط

پہلا خط

(جناب ایس جے سنگھ صاحب جوائنٹ سکریٹری کی خدمت میں)

ناچیز دستِ بستہ جو پیشِ حضور ہے
یہ شرم ہے لباس پہ داغِ قصور ہے

عزت مآب مظہرِ لطف و کرم ہیں آپ
مجھ پر نگاہ کیجئے مسیحائے غم ہیں آپ
الزام سب حضور کے تسلیم ہیں مجھے
ساری سزائیں باعثِ تکریم ہیں مجھے
کوئی بھی شخص ہوتا یہاں چھوٹا یا بڑا
کرتا وہی حضور جو کچھ آپ نے کیا